



يا الله جلّ جلاله الصلوة والسلام عليك يا رسول الله يا رسول الله ﷺ

توحيد



حضرت علامہ مولانا مفتی
عبد القادر قادری رضوی تحسینی عفی عنہ



کلمات تشکر

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و رحمت اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ عنایت سے پیش نظر سوالاً جواباً مضمون کو امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کی تصانیف کی برکت سے مرتب کرنے کی توفیق حاصل ہوئی، خاص طور پر ”الدولة المکیة“ اور ”تمہید ایمان“۔ اگر آپ کی کتب ہمارے لیے روشن مینار نہ ہوتیں تو ہم توحید و رسالت کی اس روشنی کو ہرگز پھیلانہ سکتے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے باطل کے اندھیروں کو مٹانے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، نیز اس مضمون میں شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت کی بحث کے لیے مناظر اسلام علامہ سعید احمد اسعد مدظلہ العالی کی تقریر بنام ”حقیقت شرک“ سے استفادہ کیا گیا ہے، اور دیگر مباحث مختلف علماء کرام کے فیوض کا نتیجہ ہے، مناظر اسلام علامہ سعید احمد اسعد کی بیان کردہ احادیث کو اس مضمون میں ذکر کرنے کے لیے محض آپ کی تقریر سے سننے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اس مضمون میں بیان کردہ حدیث کے تمام حوالہ جات کی تجارت کو فقیر غفرلہ المولیٰ القدر نے اصل کتب سے متن کی مراجعت ساتھ کے بیان کیا ہے اور بالخصوص اس مضمون کی تیاری میں حرم مکی کے مدرس، مرجع العلماء، علامہ الشیخ محمد بن علوی مالکی متوفی ۱۴۲۷ھ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”المفہیم یجب أن تصحح“ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان علمائے اسلام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حقیقتِ شرک

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين، خاتم النبيين،
شفيع المذنبين، وعلى آله وأصحابه أجمعين وبارك وسلم، أما بعد!

اس پاک پروردگار وحدہ لا شریک لہ کے لیے تمام تعریفیں اور خوبیاں ہیں کہ جس نے ہم مسلمانوں کو ہر قسم کے کفر و شرک سے محفوظ رکھا، اگر اُس کا کرم شامل حال نہ ہوتا تو ہم تو حید باری تعالیٰ کو ہرگز نہیں سمجھتے اور اُس ذات گرامی پر بے شمار درود و سلام ہوں کہ اگر اللہ عز و جل اُنھیں مبعوث نہ فرماتا اور وہ ہمارے درمیان تشریف لا کر ہمیں کتاب و حکمت نہ سکھاتے اور ہمیں پاک و ستھرا نہ فرماتے تو ہم ہرگز کفر و شرک سے پاک و صاف نہ ہوتے۔

آج ہر مسلمان اس بات کا تمنائی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ہو جائے تاکہ دشمنانِ اسلام اکٹھے ہو کر اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں، اُن کا مقابلہ کیا جاسکے اور اس حقیقت کو بھی ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ پہلے کے مسلمان تعداد میں کم ہونے اور جنگی ساز و سامان کی کمی کے باوجود کفار پر غالب تھے اور آج ہم تعداد میں پہلے کے مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ اور ایٹمی طاقت رکھنے کے باوجود کفار کے سامنے دبے ہوئے ہیں، ہمارے پاس وسیع ترین

زرعی زمینیں اور کثیر معدنی کے ذخائر ہیں، لیکن سب کچھ ہم نے اپنے ہاتھوں سے کافروں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے، اور آج ہمارے ہاتھ اتحاد کی دولت سے خالی ہیں اور کفار ہم پر غالب ہیں۔ دشمنانِ اسلام نے کئی ذرائع سے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا ہے، اُن میں سے ایک بڑے ہتھکنڈے اور خطرناک ہتھیار کے بارے میں قارئین کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں، تاکہ ہم اس آفت سے بچ کر مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے لیے کوشش کرنے والوں میں شامل ہو سکیں، ہو سکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال اُبھرے کہ مجھ ایک فردِ واحد کی کوشش سے کیا ہوگا! تو اس سلسلے میں یہ عرض کروں گا کہ اس آفت سے بچنے میں صرف دنیا کا فائدہ نہیں، بلکہ اگر یہ آفت ہمارے ساتھ رہی تو ہماری آخرت بھی برباد کر سکتی ہے، تو عقلمند وہ ہے جو اپنی آخرت کی بہتری کے لیے اپنے آپ کو اس بیماری سے بچائے رکھے، دشمنوں کا وہ خطرناک وار یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں ہی میں سے چند افراد کو خرید کر فرقہ واریت کو پھیلانے کے کام پر لگا دیا ہے کہ وہ دن رات اس بات کو عام کرتے رہیں کہ اب اس زمانے میں مسلمان کافر و مشرک ہو چکے ہیں اور ہر طرف کفر و شرک پھیل چکا ہے، لہذا ہمیں اب مل کر موجودہ مسلمان کہلانے والوں کو کلمے کی دعوت دینی ہے اور انہیں کلمے کا صحیح مفہوم سمجھانا ہے، ایسے لوگوں کی باتوں میں آ کر بعض نادان لوگ واقعی اپنا ذہن یہ بنا لیتے ہیں کہ میرے ماں باپ اور سارے خاندان والے کافر و مشرک ہو چکے ہیں، اس تحریک کے جال میں پھنس کر بعض لوگ اپنی بے علمی اور نا سمجھی کی وجہ سے ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں پر شرک و کفر کے فتوے لگا کر فرقہ واریت کو پھیلارہے ہیں، اس شیطانی حربے کی ہمارے پیارے آقا مدنی مصطفیٰ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی خبر دے دی ہے، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ حَتَّى رُئِيتَ بِهِ جَاهَهُ عَلَى جَارِهِ
لِلْإِسْلَامِ، غَيْرَهُ إِلَى مَا شَاءَ اللَّهُ، فَاَنْسَلَخَ مِنْهُ، نَبْذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، وَسَعَى عَلَى جَارِهِ
بِالسَّيْفِ، وَرَمَاهُ بِالشَّرْكِ)) قال: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَيُّهُمَا أَوْلَى بِالشَّرْكِ الْمَرْمِيُّ أَوْ الرَّمَايُ؟
قال: ((بَلِ الرَّمَايُ)).

(الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، كتاب العلم، ذكر ما كان يتخوف ﷺ على أمته، رقم الحديث: (٨١)، ج ١،

ص ١٤٩)

ترجمہء حدیث: تمہارے بارے میں مجھے اس آدمی سے بڑا ڈر لگتا ہے جو قرآن پڑھے گا یہاں تک کہ اس کی تازگی اس کے چہرے پر نمایاں ہوگی اور ساتھ ساتھ (ظاہری طور پر) اسلام کی مدد کرنے والا ہوگا، بقدر مشیت الہی وہ اسلام کو نقصان پہنچائے گا، دین اسلام سے نکل جائے گا اور اسے پیٹھ پیچھے پھینک دے گا، اپنے (مسلمان) پڑوسی پر تلوار کے وار کرے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا (حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! شرک کی تہمت لگانے والا مشرک ہوگا یا جس پر تہمت لگائی جائے وہ مشرک ہوگا؟ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا خود مشرک ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان حق ہے کہ فی زمانہ متعدد لوگ بات بات پر شرک، شرک کی رٹ لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ شرک ہے، یہ کفر ہے، یہ غیر اللہ کی عبادت ہے لیکن جب

اُن سے پوچھا جائے کہ لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰہ کہنے والے کو تم نے کافر و مشرک کیسے کہہ دیا؟ کیا آپ کو شرک کی تعریف معلوم ہے؟ کیا کفر کی تعریف معلوم ہے؟ کوئی عمل کسی کی عبادت کب بنے گا؟ تو اکثر اوقات فتوے لگانے والے ان سوالات کے جوابات ہی نہیں دے پاتے، بعض اوقات شرک و کفر اور عبادت کی اپنی من پسند تعریف کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں، لیکن اُن کی یہ تعریف قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہوتی، راقم الحروف آپ کے سامنے شرک و کفر اور عبادت کی تعریف سوالاً جواباً قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ مزین کر کے پیش کرتا ہے تاکہ ہم شرک و کفر کو صحیح معنی میں سمجھ سکیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اپنی غلط فہمی کی وجہ سے کسی مسلمان کو مشرک یا کافر کہہ دیں، یاد رہے کہ کسی مسلمان کو مشرک یا کافر کہنا انتہائی خطرناک ہے، اگر کسی نے کسی مسلمان کو مشرک یا کافر کہہ دیا تو کافر کہنے والا بحکم حدیث خود کافر ہو جائے گا چنانچہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرًا! فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدَهُمَا)).

(”صحيح البخاري“، كتاب الأدب، باب من أكفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال، رقم الحديث: (٦١٠٣)، ص ٥١٥)

جب کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے کہے: اے کافر! تو ان دونوں میں سے کسی ایک

پر کفر ضرور پلٹ کر آئے گا۔

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَيُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ أَكْفَرَ رَجُلًا مُسْلِمًا، فَإِنْ كَانَ كَافِرًا وَإِلَّا كَانَ هُوَ الْكَافِرُ)).

(”سنن أبي داود“، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، رقم الحديث: (٤٦٨٧)، ص ١٥٦٧)

کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان مرد کو کافر قرار دے تو اگر وہ واقعی کافر ہے تو ٹھیک، ورنہ کافر کہنے والا خود کافر ہے۔

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کہلانے والا بعض اوقات اپنے کفر کی وجہ سے کافر بھی ہو سکتا ہے، نیز حدیث بالا سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اگرچہ کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے لیکن اسکے کفر کی وجہ سے اسے کافر کہنا درست ہے، اس حدیث شریف سے ان عام لوگوں کی غلط فہمی بھی دور ہو گئی جو اکثر کہہ دیا کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے، حالانکہ یہ محض باطل ہے ایسا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے بلکہ کافر کو کافر کہیں گے اور مسلمان کو مسلمان۔

مذکورہ بالا کلام سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ اب کافر ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ متعدد ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلم کہلاتے ہیں لیکن حقیقت میں کھلے کافر ہوتے ہیں جیسے پاکستان کے شہر تربت بلوچستان میں پایا جانے والا ذکری فرقہ کہ اپنے باطل خیال میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو منسوخ جانتا ہے، یہ لوگ نماز کے بجائے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں، خانہء کعبہ کے بجائے کوہ مراد کا طواف کرتے ہیں، زکوٰۃ، روزہ، حج کا سرے سے انکار کرتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو مسلم کہتے ہیں، اسی طرح آغا خانی کہ نماز، روزہ

کو فرض نہیں جانتے اور پھر بھی اپنا مذہب اسلام بتاتے ہیں، ایسے لوگ چاہے دن رات کلمہ پڑھتے رہیں، اپنے آپ کو لاکھ مسلمان کہیں ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے کیونکہ جب انکا کفر ظاہر ہے تو انہیں مسلمان کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اسی طرح ہر وہ شخص جو ایسی بات کہے جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توہین ہو، جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی ہو یا ضروریات دین میں سے کسی بات کا انکار ہو ضرور کافر ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کا اصل مقصود یہ ہے کہ جو شخص ہمارے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرے اور اس کے قول و فعل سے ہمیں کوئی کفر کی بات معلوم نہ ہو تو ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی ایسی بات کر بیٹھے جس کے دو معنی نکلتے ہوں، ایک معنی کفر اور دوسرا اسلام کے مطابق ہو اور ہمیں کسی طرح معلوم نہ ہو سکے کہ بولنے والے کی نیت میں کونسا معنی ہے! تو بدگمانی کرنے کے بجائے یہی کہیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ بولنے والے کی نیت میں وہی معنی ہوں جو اسلام کے مطابق ہے، جب تک ہم پر ظاہر نہ ہو ہم حسن ظن ہی رکھیں گے؛ کیونکہ ہمیں دل کے حال کا علم نہیں اور اگر کسی نے بدگمانی کرتے ہوئے اس شخص کو کافر کہہ دیا حالانکہ اس شخص کی مراد اسلام کے مطابق ہے تو کہنے والا خود حکم حدیث کافر ہو جائے گا اور یہی مراد ہمارے فقہاء کی ہے کہ اگر کسی شخص کے قول میں نناوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا تو ہم اسلام والا پہلو ہی اسکی مراد سمجھیں گے، لوگوں نے آج کل فقہاء کی اس بات کو تبدیل کر کے یوں بیان کرنا شروع کر دیا ہے کہ اگر کسی شخص میں نناوے باتیں کفر کی ہوں لیکن ایک بات اسلام کی تو پھر بھی ہم اسے مسلمان ہی کہیں گے،

یہ بات محض باطل ہے، ایک شخص میں کفر کی سو باتیں ہونا اور بات ہے اور ایک بات کے سو پہلو نکلنا اور بات، اس طرح تو بے شمار کافر ایسے ہیں کہ ان میں ایک سے زیادہ باتیں اسلام کی ہیں، پھر تو کسی عیسائی کو بھی کافر نہ کہا جائے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خدا، انجیل مقدس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب مانتا ہے اور قیامت پر اس کا بھی ایمان ہے، لیکن کوئی بھی عقل مند ایک عیسائی کو ان تین اسلامی عقیدوں کی وجہ سے مسلمان نہیں کہہ سکتا ہے جب تک وہ عیسائی اپنے تمام کفری عقائد سے توبہ نہ کر لے اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام لانے کے لیے اسلام کی تمام باتوں کو ماننا ضروری ہے لیکن کافر بننے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کر دیا جائے۔

اوپر مسلمان کو کافر کہنے کے بارے میں جو احادیث گذریں ان میں اُس شخص کے لیے وعید ہے جو ایسے مسلمان کو کافر کہے کہ اسکی بات کا اچھا پہلو تلاش کیا جاسکتا تھا لیکن پھر بھی جلد بازی اور بدگمانی کر کے اسے کافر قرار دیا گیا اور ایسا وہی کرتے ہیں جن کا سازشوں کے ذریعے یہ ذہن بنا دیا گیا ہے کہ اب ہر طرف شرک پھیل گیا ہے، اب انہیں ہر شخص مشرک ہی نظر آتا ہے، یاد رہے کہ ساری امت کو گمراہ سمجھنا خود بہت بڑی گمراہی ہے، ایسا تو ہو سکتا ہے کہ اس امت سے چند افراد کفر میں مبتلا ہو جائیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ چند لوگ توحید پر باقی رہ جائیں اور ساری امت شرک میں مبتلا ہو جائے جیسا کہ منجر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

عن عقبۃ بن عامر: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أَحَدٍ صَلَاتِهِ عَلَى الْمَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْبَرِ فَقَالَ: ((إِنِّي فَرَطْتُ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ،

وإني والله لأنظر إلى حوضي الآن، وإني أُعْطِيتُ مفاتيحَ خزائن الأرض أو مفاتيح الأرض، وإني والله ما أخاف عليكم أن تُشركوا بعدي، ولكن أخاف عليكم أن تنافسوا فيها)).

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ایک دن تشریف لے گئے اور اہل احد پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی پھر منبر پر واپس ہوئے اور فرمایا: (حوض کوثر پر تمہاری مدد کیلئے) میں تم سے پہلے پہنچنے والا ہوں، میں تمہارا گواہ ہوں اور اللہ کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم لوگ میرے بعد شرک کرو گے، لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ دنیا کے مال کو ایک دوسرے سے حاصل کرنے کی لالچ کرو گے۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، رقم الحديث: (۱۳۴۴)، ص ۲۱۵)

آنے والے صفحات میں شرک و کفر کی تعریفات کو قرآن و سنت کے مطابق نہ پائیں تو ہرگز قبول نہ کریں کہ اگر ہم اپنا یہ اصول بنالیں کہ عقائد میں جو شخص بھی ہمیں جو کچھ بتائے ہم اُن سے یہ پوچھ لیں کہ یہ بات آپ اپنے عقل سے سوچ کر کہہ رہے ہیں یا قرآن و حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے؟ اگر آپ کی یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو ہمیں قبول ہے، اگر آپ یہ بات اپنی عقل سے سوچ کر کر رہے ہیں تو ہمارے لیے یہ ضروری نہیں کہ آپ کی عقلی پیداوار کو تسلیم کر لیں۔ ان شاء اللہ تبارک و تعالیٰ اس طرح کوئی بد مذہب ہمیں ہرگز گمراہ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ جتنے بھی گمراہ کن

گروہ ہیں انکی گمراہ کن باتیں ان کی اپنی عقلوں کی پیداوار ہیں۔

”اللہ عزوجل کی ذات میں کوئی شریک نہیں“

لا إله إلا الله کے تفصیلی معنی کیا ہیں؟

آپ جانتے ہیں کہ جب نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے مبعوث فرمایا تو اُس وقت تمام عالم شرک کی گندگی سے آلودہ تھا تا جدار رسالت، ماحی شرک و ضلالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفارِ قریش کو شرک سے پاک کرنے کے لیے جب دعوتِ اسلام دی تو انھیں ایک بات کی طرف بلایا، وہ مبارک کلمہ یہ تھا کہ اے لوگو! کہو: لا إله إلا الله فلاح پا جاؤ گے، یہ وہ کلمہ ہے کہ جو اس کا اقرار کر لیتا اسے مسلمان تسلیم کر لیا جاتا، یہ جملہ ہے تو مختصر لیکن اس میں ہر قسم کے شرک کی نفی اور رد ہے، اس کلمے کے تفصیلی معنی کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو شرک کی تمام اقسام کو ہم با آسانی سمجھ سکتے ہیں، اس کا ترجمہ ہے: اللہ کے سوا کوئی إله نہیں، صرف اللہ إله ہے، إله کا کیا معنی ہے؟ بس صرف اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں، اگلی تمام باتیں آپ خود ہی با آسانی سمجھتے چلے جائیں گے، إله کا معنی ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو، سب اُسکے محتاج ہوں، ایسی ذات صرف اور صرف اللہ عزوجل ہے، جو کسی کا محتاج نہیں، ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ إله کے معنی میں دیگر لفظ بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے خدا، بے نیاز، صمد، مستقل بالذات، ان سب کا ایک ہی معنی ہے یعنی جو کسی کا محتاج نہ ہو،

چنانچہ مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو چیز بندہ اور اللہ میں فرق کرے، جس کی بناء پر بندہ، بندہ ہو اور اللہ، اللہ ہو وہ ایک چیز ہے یعنی غنی اور بے نیازی۔ بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو، دوسرے کا حاجت مند ہو، اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو، اس کی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضے میں ہو۔ اللہ وہ ہے جو کسی کا حاجت مند نہ ہو، کسی کا نیاز مند نہ ہو، سب سے غنی ہو، بے پرواہ ہو۔ دیکھو سورۃ اخلاص میں پہلے فرمایا گیا: ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ بے نیاز ہے، پھر ارشاد ہوا: ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ یہ اسکی بے نیازی کا ثبوت ہے کہ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کی اولاد؛ کیونکہ اُبُوْتُ اور بُنُوْتُ نیاز مندی کی بناء پر ہوتی ہیں (یعنی باپ اور بیٹا ہونا محتاجی کی وجہ سے ہوتا ہے)، پھر آخر میں ارشاد ہوا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ اس کا کوئی ہمسر نہیں؛ کیونکہ سب اس کے حاجت مند ہیں، اور وہ سب کا حاجت روا، اور فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ اللہ جہانوں سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، اور فرماتا ہے کہ ﴿اللَّهُ غَنِيٌّ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ﴾ اللہ غنی ہے اور بے نیاز ہے، تم اس کے فقیر نیاز مند ہو۔

(”رسائل نعیمیہ“، اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں، ص ۱۲ [۲۳۴])

الحاصل لا إله إلا الله کا تفصیلی معنی یہ ہوا کہ اللہ عز وجل کے سوا کوئی اللہ یعنی غیر محتاج اور بے نیاز نہیں ہر عام مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے کہ اللہ صرف اور صرف اللہ عز وجل ہی کی ذات ہے، ہر چیز اس کے اذن کی ہر آن محتاج ہے، ہم اپنے پیارے نبی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ عز وجل کے بندہ خاص اور رسول مانتے ہیں، اللہ نہیں مانتے۔

شُرک کسے کہتے ہیں؟

سیدی امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن شرک کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آدمی حقیقۃً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات و واجب الوجود نہ مانے۔

پھر آپ علیہ الرحمہ بطور دلیل ”شرح عقائد“ سے درج ذیل عبارت کو نقل فرماتے ہیں:

الإِشْرَاقُ هُوَ إِثْبَاتُ الشَّرِيكِ فِي الْأُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنَى وُجُوبِ الْوُجُودِ كَمَا لِلْمَجُوسِ أَوْ بِمَعْنَى اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعِبَادَةِ الْأَصْنَامِ.

(”شرح العقائد“، مبحث الأفعال کلّها بخلق الله تعالى... إلخ، ص ۷۸)

ترجمہ: شرک کی پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اُلُوْهِیَّة یعنی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اس طرح کہ اسے واجب الوجود قرار دیا جائے، جیسے مجوسی عقیدہ رکھتے ہیں، یا (اللہ تعالیٰ کے علاوہ) کسی کو عبادت کے لائق سمجھا جائے، جیسا کہ بتوں کے پجاری عقیدہ رکھتے ہیں۔

اس تعریف میں ایسے دو اصول بتائے گئے ہیں جو شیطان کے وسوسے کے علاج کے لیے ہر جگہ کافی ہیں، بس انہیں ذہن نشین کر لیا جائے، پہلا یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی مستقل نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، اور دوسرا اصول یہ کہ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

سوال: مستقل بالذات کے کیا معنی ہیں؟

جواب: مستقل بالذات کا معنی وہی ہے جو ابھی اللہ کی تشریح میں بیان ہوئے، یعنی ایسی ہستی جس کا وجود خود اپنی ذات سے ہو، اپنی ذات کو باقی رکھنے میں وہ کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو، ایسی ہستی جو مستقل بالذات ہو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے علاوہ ہر ایک اپنی ذات کا وجود باقی رکھنے کے لیے اسکی رحمتوں کا محتاج ہے، واجب الوجود کے معنی کا حاصل یہی ہے کہ جو کسی معاملے میں دوسرے کا محتاج نہ ہو۔

سوال: اس تفصیل کو سن کر ذہن میں ایک سوال یہ آتا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو خالق ماننا بھی شرک ہے، سیدی اعلیٰ حضرت نے شرک کی تعریف میں اسے ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: جب کسی کو اللہ مان لیا جائے تو اس میں نہ صرف خالق کا معنی شامل ہو گیا، بلکہ دیگر تمام وہ خوبیاں جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً: لامحدود، قدیم، رب العالمین وغیرہا سب خود بخود بیان ہو گئیں، کیونکہ ایسی صفات صرف اس ذات کی ہو سکتی ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو اور ایسی ذات صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہے، بس جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کسی معاملے میں کسی کا محتاج نہیں اور سب اسکے محتاج ہیں تو گویا ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے تمام وہ صفات مان لیں جو اس کی ذات کے ساتھ خاص ہیں جیسے خلق یعنی پیدا کرنے کے معنی کو دیکھ لیجیے جیسا کہ امام راغب اصفہانی جو کہ لغت کے بہت بڑے امام ہیں، آپ نے قرآن عظیم میں استعمال ہونے والے الفاظ کی تشریحات پر نہایت ہی جامع کتاب مفردات کے نام سے لکھی ہے، چنانچہ آپ خلق کے معنی

کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خلق کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر مادّے اور بغیر سابقہ مثال کے عدم سے وجود میں لانا۔

(”مفردات العلامۃ الراغب الأصفہانی“، ص ۲۹۶، الدار الشامیۃ، بیروت)

یعنی ہم لوہے سے الماری، مٹی سے اینٹ بنا سکتے ہیں، لیکن لوہے اور مٹی کو پیدا نہیں کر سکتے، ان اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، کسی چیز کو پیدا نہ کر سکنے میں ہماری محتاجی ثابت ہوگئی، پیدا وہی کر سکتا ہے جو الہ ہو یعنی کسی کا محتاج نہ ہو تو جب اللہ تعالیٰ کو غیر محتاج مانا گیا تو پیدا کرنے میں بھی غیر محتاج مانا گیا، تو یوں اُلُوْهِیَّت کو جب خاص اللہ تعالیٰ کے لیے مانا گیا تو اس میں خالقیت کا بھی ذکر ہو گیا جب کسی کو تمام جہاں کا خالق مان لیا تو اس کے ساتھ ساتھ خود ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ تمام چیزوں سے پہلے ہو، جو قدیم نہ ہو وہ الہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح دیگر صفات میں غور کیا جائے تو اس سے یہی حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں جسے اس بات کی معرفت حاصل ہوگئی وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی دیگر تمام صفات کو سمجھتا چلا جائے گا، اسی نقطے سے انسان اس کائنات کے عظیم نظام میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی صفات کے لامحدود ہونے کو جان لے گا کہ اس کائنات کے عظیم نظام کو وہی چلا سکتا ہے جو لامحدود طاقت رکھتا ہو، تو جو اس نظام کو چلا رہا ہے وہ جب کسی کا محتاج نہیں تو ضرور لامحدود طاقتیں رکھتا ہے۔

بس توحید باری تعالیٰ کا سب سے اہم رکن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مستقل بالذات یعنی خدا مانا جائے اور اسکے علاوہ سب سے خدائی کی نفی کی جائے، اسی لیے سیدی اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ:

آدمی حقیقتہً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو مستقل بالذات نہ مانے۔

سوال: خالق کے شرعی معنی کیا ہیں، کیا اللہ عز وجل کے سوا کسی کو خالق کہہ سکتے ہیں؟

جواب: لغوی طور پر لفظ خلق دو معنی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) کسی چیز کو شکل و صورت دینا۔

(۲) کسی چیز کو بغیر مادّے اور سابقہ مثال کے عدم سے وجود میں لانا۔

(”مفردات العلامۃ الراغب الأصفہانی“، ص ۲۹۶، الدار الشامیۃ، بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ خلق کبھی کبھی لغوی طور پر کسی چیز کو شکل و صورت دینے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، جیسے آپ نے سنا ہوگا کہ اس طرح کہا جاتا ہے کہ اس یونیورسٹی کے خالق فلاں ہیں، لیکن یہاں عدم سے وجود میں لانا مراد نہیں، بلکہ شکل و صورت دینے کے معنی مراد ہیں، قرآن میں بھی خلق کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے:

﴿أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

ترجمہ کنز الایمان: میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں، پھر اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے، اللہ کے حکم سے۔

اس آیت میں لفظ ﴿أَخْلُقُ﴾ کا ترجمہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ”مورت بناتا ہوں“ کیا ہے، تا کہ اردو دان پر واضح ہو جائے کہ آیت کریمہ میں خلق کی نسبت ”صورت دینے“ کے معنی میں ہے، پیدا کرنے کے معنی میں نہیں، بہر حال خلق بمعنی عدم سے وجود میں لانا یعنی پیدا کرنا صرف

اور صرف اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، ہم کسی مادّے کو شکل و صورت تو دے سکتے ہیں، لیکن کسی چیز کے مادّے کو پیدا نہیں کر سکتے، ہر عام مسلمان اس بات کو جانتا ہے کہ پیدا کرنے والا صرف اللہ عزوجل ہے، سوائے اللہ عزوجل کے کوئی خالق نہیں ہو سکتا، غالب طور پر خالق کے معنی پیدا کرنے والا کے لیے آتے ہیں، لہذا لفظ خالق کا استعمال اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت، امام سبکی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ليس المراد نسبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى الخلق والاستقلال بالأفعال، هذا لا يقصده مسلم فصرف الكلام إليه، ومنعه من باب التلبیس في الدين والتشویش على عوام الموحّدين.

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور خالق و فاعل مستقل ہیں، یہ ارادہ تو کوئی مسلمان نہیں کرتا، تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور حضور سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

پھر امام اہل سنت فرماتے ہیں:

صدقت يا سيدي جزاك الله عن الإسلام والمسلمين خيراً، آمين!

یعنی اے میرے آقا! آپ نے سچ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

(”فتاویٰ رضویہ“، ج ۳۰، ص ۳۷۵)

www.gulfishanmasjid.com

سوال: کیا شرک کی بھی اقسام ہیں؟

جواب: شرک کوئی بھی ہو ایسا قبیح جرم ہے کہ اس سے توبہ کیے بغیر مرنے والے کی کبھی بخشش نہ ہوگی، شرک کی تمام اقسام کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی معاملے میں کسی کا محتاج نہیں ہے، اور اسکے سوا ہر ایک ہر معاملے میں اُس کا ہر آن محتاج ہے، البتہ آسانی کے ساتھ سمجھنے کے لیے علمائے اسلام نے جو تعریف بیان فرمائی ہے، اس سے ہم شرک کی تین قسمیں نکال سکتے ہیں:

(۱) شرک فی الذات۔

(۲) شرک فی الصفات۔

(۳) شرک فی العبادت۔

سوال: شرک فی الذات کسے کہتے ہیں؟

جواب: شرک فی الذات یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کو الہ یعنی خدا ماننا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ عزوجل کی ذات دو یا تین افراد کا مجموعہ ہے، یعنی کسی کو اللہ عزوجل کا جزء قرار دینا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ فلاں اللہ عزوجل کا بیٹا یا بیٹی ہے، نعوذ باللہ من ذالک۔

اہل عرب کہتے ہیں: الأشياء تُعرف بأضدادها یعنی چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ جس نے دھوپ میں وقت گزارا ہو اسے چھاؤں کی ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے، جس نے غریبی دیکھی ہو اسے مال داری کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، لہذا مشرکین مکہ کے عقائد آیات قرآن عظیم سے اور کچھ ہندوؤں، عیسائیوں اور دیگر مشرکین کے عقائد خود انکی کتابوں سے لکھے جاتے ہیں تاکہ اہل

اسلام کا عقیدہ تو حید خوب واضح ہو جائے۔

مشرکین مکہ کے عقائد

قرآن وحدیث میں یہ بات واضح ہے کہ مشرکین مکہ شرک فی الصفات کے ساتھ ساتھ شرک فی الذات میں بھی مبتلا تھے، جب اُن سے پوچھا جاتا کہ زمین وآسمان کس نے بنائے؟ آسمان سے بارش کون برساتا ہے؟ درخت کون اگاتا ہے؟ تو جواباً کہتے تھے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ عزوجل ہے؛ کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خالق اور اِلہ تو مانتے تھے لیکن اتنا ماننا ان کے لیے کافی نہ تھا، ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اِلہ مان لینے سے انسان شرک سے نہیں بچ سکتا جب تک اللہ ہی کو اِلہ مان نہ لے، یعنی دیگر تمام سے اِلہ ہونے کی نفی نہ کر لے اور ہمارے کلمے کا آغاز بھی دیگر تمام معبودان باطلہ کے انکار سے ہوتا ہے، کوئی غیر مسلم اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مذہب کے باطل ہونے کا اقرار نہ کر لے، اسلام کو اچھا مذہب قرار دینا اور خود ساختہ بتوں کو بھی خدا مانتے رہنا کسی بت پرست کو مسلمان نہیں بنادے گا جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہندو ہمارے سامنے ”اللہ کرم کرے، ان شاء اللہ، ماشاء اللہ وغیرہ کہتے رہتے ہیں لیکن تنہائی میں اٹھتے بیٹھتے ہائے رام کی دہائی بھی دیتے رہتے ہیں یہی حال مشرکین عرب کا تھا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خالق، مالک اور اِلہ مانتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ کئی خدا بنا رکھے تھے، ظاہر ہے کہ کسی کو اللہ عزوجل کے سوا خدا کہنا ہی کھلا

شرک فی الذات ہے، اللہ عزوجل کے مقابلے میں کسی کو خدا کہنے کا یہی مطلب ہے کہ اللہ عزوجل کے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جو چاہیں کر لیں گے، مشرکین عرب اللہ عزوجل کے علاوہ طرح طرح کی اشیاء کو الہ سمجھتے تھے، اسی لیے تو قرآن عظیم میں انہیں مختلف مثالیں دے دے کر یہی دعوت دی گئی کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، زمین و آسمان کی پیدائش اور عقل کو عاجز کر دینے والے نظام کا بیان فرما کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عظمت منوا کر ان سے بار بار یہی فرمایا:

﴿إِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ﴾ [النمل : ۶۰]،

ترجمہ: کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟

مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ عزوجل کی ذات کا جزء سمجھتے تھے، تفسیر جلالین میں ہے کہ اللہ عزوجل مشرکین مکہ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ط إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ﴾ [الزخرف : ۱۵]۔

اور اس (اللہ) کے لیے اس کے بندوں میں سے ٹکڑا ٹھہرایا، بے شک آدمی کھلانا شکر ہے۔

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط سُبْحَانَهُ

وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ﴾ [الأنعام : ۱۰۰]

اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو اور حالانکہ اُسی نے اُن کو بنایا اور اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جہالت سے، پاکی اور برتری ہے اُس کو ان کی باتوں سے۔

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنِثَاءً﴾ [الزخرف : ۱۹]

اور انہوں نے (یعنی مشرکین مکہ وغیرہم نے۔ جلالین) فرشتوں کو کہ رحمن کے بندے ہیں، عورتیں ٹھہرایا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ اللہ عزوجل کی ذات میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے تھے؛ کیوں کہ بیٹا یا بیٹی انسان کا جزء ہوتا ہے اور فرشتوں کو بیٹیاں قرار دینا انہیں اللہ عزوجل کا جزء قرار دے کر اللہ عزوجل کی ذات میں شریک ٹھہرانا ہے۔

مشرکین مکہ ہم مسلمانوں کی طرح اللہ عزوجل کو ہرگز نہیں مانتے تھے، جیسی محبت اللہ عزوجل سے ہونی چاہیے ویسی محبت انہیں بتوں سے ہوا کرتی تھی، اللہ عزوجل انکی اس قلبی بیماری کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ [البقرة: ۱۶۵]

ترجمہ کنز الایمان: اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔

مسلمان حقیقت میں صرف اللہ عزوجل سے ہی محبت کرتے ہیں اور انہیں اللہ عزوجل کے ہر نبی اور ولی سے اسی لیے محبت ہے کہ یہ حضرات اللہ عزوجل کے دوست ہیں، ان آیات میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو اللہ کے سوا کسی سے محبت نہیں، بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں، جیسا کہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث میں وارد ہے:

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿أَحْبُوا اللَّهَ لَمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ وَأَحْبُونِي بِحَبِّ اللَّهِ وَأَحْبُوا أَهْلَ بَيْتِي بِحَبِّي﴾

”سنن الترمذی“، المناقب عن رسول الله، مناقب أهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، برقم: (۳۷۲۲)“

ترجمہ حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلاتا ہے، مجھ سے محبت رکھو اس لیے کہ اللہ مجھ سے محبت فرماتا ہے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو اس لیے کہ میں ان سے محبت کرتا ہے۔

مشرکین مکہ کے سامنے اگر اللہ عز و جل کا ذکر ہوتا تو وہ بہت تنگ دل اور پریشان ہوتے اور ناگواری کا اثر ان کے چہروں پر ظاہر ہو جاتا اور جب پتھر کے بے جان بتوں کا ذکر ہوتا تو وہ خوش ہو جاتے اللہ عز و جل انکے اس دلی مرض کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ

مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ [الزمر: ۴۵]

اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے دل سمٹ جاتے ہیں انکے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جب اُسکے سوا اوروں کا ذکر ہوتا ہے جی بھی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں سے انھیں کچھ ایسی محبت تھی کہ اگر انکے جھوٹے خداؤں کو باطل اور بُرا کہا جاتا تو یہ لوگ اللہ عز و جل کو گالیاں بھی دے دیتے تھے اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

[الأنعام: ۱۰۸]

اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، وہ اللہ کو گالیاں دیں گے زیادتی اور جہالت سے۔

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ کے دلوں میں اللہ عزوجل کی کوئی عظمت نہیں تھی، جو کسی کو گالیاں دے سکتا ہو اس کے دل میں بھلا اسکی کیا قدر و منزلت ہوگی، ان کو یہی گھمنڈ اور غرور تھا کہ ہمارے بت اللہ تعالیٰ پر غالب آسکتے ہیں، ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو گالیاں بھی دے دیں ہمارے بت اس کے غضب و جلال سے ہمیں بچالیں گے۔

مشرکین مکہ کو اللہ عزوجل سے زیادہ بتوں کا خوف تھا، زمانہ جاہلیت میں مشرکین کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے کھیتوں اور درختوں کے پھلوں اور چوپایوں اور تمام مال میں سے ایک حصہ تو اللہ عزوجل کا مقرر کرتے تھے، اور ایک بتوں کا، تو جو حصہ اللہ عزوجل کے لیے مقرر کرتے تھے اس کو تو مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کر دیتے تھے اور جو بتوں کے لیے مقرر کرتے تھے وہ خاص اُن پر اور انکے خادموں پر صرف کرتے، اور جو حصہ اللہ عزوجل کے لیے مقرر کرتے اگر اس میں سے کچھ بتوں والے حصے میں مل جاتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر بتوں والے حصے میں سے کچھ اللہ عزوجل کے حصے میں مل جاتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں ہی کے حصے میں شامل کر دیتے، یعنی کمی کو پورا کرنے کے لیے جو اللہ عزوجل کے لیے تھا شریکوں کے پاس چلا جاتا اور جو شریکوں کے لیے مقرر کر دیتے وہ اللہ عزوجل کے پاس نہ

جاتا، درج ذیل آیت میں اُن کی جہالت اور بد عقلی کا ذکر فرمایا گیا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ ط سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ [الأنعام: ۱۳۶]۔

اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے اُن میں اسے ایک حصہ دار ٹھہرایا اور بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں، اور یہ ہمارے شریکوں کا، تو وہ جو اُنکے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ انکے شریکوں کو پہنچتا ہے، کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ انھیں اپنے من گھڑت خداؤں کا خوف، اللہ عزوجل سے زیادہ تھا۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آسمان کا خدا اللہ عزوجل ہے اور زمین کے خدا چھوٹے خدا ہیں، اللہ عزوجل کو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا تو مانتے تھے، لیکن اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ زمین کے خدا، لات و منات، عزی اور ہبل اگر چاہیں تو کسی معاملے میں اللہ عزوجل پر بھی غالب آسکتے ہیں، اللہ عزوجل کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو مذکورہ بت اُس شخص کی مدد کر کے اللہ عزوجل سے بچا سکتے ہیں۔

جیسا کہ ان کا عقیدہ بخاری شریف کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے، حدیث شریف کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ جب جنگ اُحد ختم ہوئی تو یہ افواہ پھیل چکی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے پھیلی ہوئی افواہ کی تصدیق کرنے کے لیے ڈھونڈتے ہوئے اُحد پہاڑ کے ایک طرف آئے اور اُس سمت پکارنے لگے

جس طرف انھیں کچھ اندازہ تھا کہ شاید یہاں مسلمان منتشر ہونے کے بعد چھپ گئے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تشریف فرما تھے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے تین مرتبہ پکارا: أفي القوم محمد؟ یعنی کیا قوم میں محمد ہیں؟ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصلحۃ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید نہیں ہوئے تاکہ وہ مطمئن ہو کر چلے جائیں اور دوبارہ پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ نہ کریں، لہذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی پکار پر جواباً کچھ نہیں فرمایا، اور صحابہ کو بھی جواب دینے سے منع فرمادیا، انہوں نے پھر تین مرتبہ پکارا: أفي القوم ابن أبي قحافة؟ یعنی کیا یہاں قوم میں ابوبکر ہیں؟ (رضی اللہ عنہ) پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ پکارا: أفي القوم ابن الخطاب؟ یعنی کیا یہاں قوم میں عمر (رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟ اس پر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر کہنے لگے: یہ سب جنگ میں مارے گئے ہیں (کہ اگر یہ لوگ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خاموش نہ رہا گیا، وہ جواباً بول پڑے: كذبت والله يا عدو الله! اے اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ کہا تو نے جتنے نام گنوائے ہیں وہ سب کے سب زندہ ہیں، اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے (جو کہ اس وقت شرک کی حالت میں تھے) جو کہا اس میں سے ایک جملہ قابل غور ہے، انہوں نے کہا: أَعْلُ هُبَل، أَعْلُ هُبَل یعنی هُبَل بلند رہے، هُبَل بلند رہے، یعنی جس طرح اللہ عز وجل کو ماننے والوں پر آج هُبَل بلند رہا اور اللہ عز وجل کو مسلمانوں کی مدد نہ کرنے دی ویسے ہی ہمیشہ بلند رہے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اس شرکیہ نعرے پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: اسے جواب نہیں دو گے؟! عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اسے کیا جواب دیں؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح کہو: اللہ اعلیٰ وأجلّ یعنی اللہ عزوجل سب پر غالب اور سب سے بڑا ہے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ چونکہ اس وقت مشرکین کا عقیدہ رکھتے تھے؛ لہذا اللہ عزوجل کے سب پر غالب اور سب سے بڑے ہونے کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ آج اُحد میں مشرکین کی ظاہری فتح کو عِزّی دیوی کی اللہ عزوجل پر بھی غالب آنے والی مدد قرار دیتے ہوئے کہا: إِنَّ لَنَا الْعِزَّی وَلَا عِزَّی لَكُمْ یعنی عِزّی دیوی (ہماری مدد کے لیے) ہے، تمہارے پاس عِزّی نہیں یعنی تمہارے پاس صرف اللہ عزوجل ہے، جبکہ ہمارے پاس ایسی دیوی ہے جو معاذ اللہ، اللہ عزوجل پر بھی غالب آسکتی ہے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی حالت کفر میں کی جانے والی اس شرکیہ اور سراسر باطل نعرے بازی پر مصطفیٰ جانِ رحمت ماحیٰ شرک و ضلالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے جواب نہیں دو گے؟! عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اسے کیا جواب دیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح کہو: اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم، یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

(”صحیح البخاری“، کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب، رقم الحدیث:

(۳۰۳۹)، ص ۲۴۴)۔

الحاصل قرآن و سنت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کفارِ قریش شرک فی الذات میں مبتلا تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے مَن گھڑت خدا اللہ ربّ السموات والأرض پر بھی غالب آسکتے تھے، معاذ اللہ اس بارے میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بعض کفار فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں، اور بعض بتوں کو خدا کے بیٹے مانتے تھے، اور ظاہر ہے کہ باپ بیٹے آپس میں ایک دوسرے کے حاجت مند ہوتے ہیں، اور جنسیت اور نوعیت میں برابر، وہ لوگ اس عقیدے کی بناء پر مشرک ہوئے، ان کی تردید میں قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں، چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ نہ اس نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا، نہ کوئی اس کا ہمسر۔ عام مشرکین کا عقیدہ تھا کہ بت اور معبودانِ باطلہ ہیں خدا کے بندے، مگر خدا اُن کا محتاج ہے۔ وہ رب تعالیٰ دنیا کو پیدا فرما کر اتنا تھک گیا اور عاجز ہو گیا کہ وہ اب دنیا چلا نہیں سکتا، اس کا انتظام سنبھال نہیں سکتا، ہمارے یہ معبود دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ عقیدہ شرک ہوا کہ اس میں بندوں کو رب کے برابر مانا گیا، وہ یوں کہ بندوں کو رب کا حاجت مند مانا گیا، اور رب کو ان بندوں کا۔ ان کی تردید میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں، رب فرماتا ہے: ﴿مَا مَسَّنَا مِنَ لُغُوبٍ﴾ [ق: ۳۸] ترجمہ: ہمیں عالم کی پیدائش میں کوئی تھکن نہیں پہنچی، اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پیدا فرما کر تھک نہیں گیا، اور فرماتا ہے: ﴿لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ﴾ [الإسراء: ۱۱۱] ترجمہ کنزالایمان: بادشاہی میں کوئی اُس کا شریک نہیں، اور کمزوری سے کوئی اس کا حمایتی نہیں۔ تفسیر خزان العرفان: یعنی وہ کمزور نہیں کہ اسکو کسی حمایتی اور مددگار کی حاجت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے عجز اور کمزوری کی بناء پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا، غرض کہ ان کا یہ عقیدہ، شرک تھا۔ بعض کفار عالم کے لیے دو مستقل خدا، خالق و مالک مانتے تھے، وہ کہتے تھے کہ خیر کا خالق اور ہونا چاہیے اور شر کا خالق اور۔ خالق خیر کا نام یزدان رکھتے تھے، اور شر کے خالق کا نام

اَہرْمَن، انہوں نے اس کے بعض فرضی بندوں کو اتنا اونچا سمجھا کہ خدا مان لیا۔

[”رسائل نعیمیہ“: اسلام کی چار اصطلاحیں]

فی زمانہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ

”مشرکین مکہ بھی بتوں کو اللہ عزوجل کی ذات میں شریک نہیں ٹھراتے تھے، اور نہ ہی بتوں کو خدا سمجھتے تھے، مشرکین عرب کے بُت پہلی قوموں کے نیک اور صالح لوگ تھے ان سے محبت کرنے والوں نے پہلے ان کی تصویریں بنائیں اور اپنے گھروں میں آویزاں کیں، آہستہ آہستہ ان کی تعظیم میں اضافہ ہوتا رہا پھر ان کے مجسمے اور بت بنائے گئے، مشرکین کا ان نیک و صالحین کو وسیلہ سمجھنا ہی ان کا شرک تھا، اور آج بھی وہ لوگ جو اولیاء و انبیاء کو وسیلہ سمجھتے ہیں وہ ان مشرکین کی طرح کافر و مشرک ہیں“

اس گفتگو کا یہ حصہ: ”مشرکین مکہ بھی بتوں کو اللہ عزوجل کی ذات میں شریک نہیں ٹھراتے تھے، اور نہ ہی بتوں کو خدا سمجھتے تھے“ سراسر باطل اور غلط بیانی ہے، اس کا باطل ہونا قرآن عظیم کی کئی آیات سے واضح ہے، مشرکین عرب اللہ عزوجل کے علاوہ طرح طرح کی اشیاء کو الہ سمجھتے تھے، اسی لیے تو قرآن عظیم میں انہیں مختلف مثالیں دے دے کر یہی دعوت دی گئی کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، زمین و آسمان کی پیدائش اور عقل کو عاجز کر دینے والے نظام کا بیان فرما کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عظمت منوا کر ان سے بار بار یہی فرمایا:

﴿إِلَٰهَ مَعَ اللَّهِ﴾ [النمل: ۶۰]،

ترجمہ: کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟

کیا اس طرح کا سوال اُن لوگوں سے کیا جاسکتا ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو خدا نہ مانتے ہوں؟! مشرکین مکہ مختلف اشیاء کو نہ صرف اِلٰہ مانتے تھے بلکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے خدا اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر غالب بھی آسکتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل بمع دلائل پہلے گزر چکی ہے، مزید چند آیات ملاحظہ فرمائیں جن میں اس بات کی صراحت کہ مشرکین بتوں کو اِلٰہ سمجھتے تھے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾ [الأنعام: ۱۹].

تفسیر جلالین میں ہے: ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ﴾ أخو فكم یا اهل مكة.

تفسیر طبری میں ہے: ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ﴾ یعنی اهل مكة.

اسی کی مثل تفسیر بغوی، آلوسی، بیضاوی، نسفی، نیشاپوری، خازن وغیرہا میں اس بات کی صراحت

کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرماتا ہے کہ آپ اہل مکہ سے کہہ دیں:

ترجمہ آیت: تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی، تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور

میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے، تو کیا تم یہ

گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں؟ تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا، تم فرماؤ وہ تو ایک ہی

معبود ہے اور میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

مزید آیات ملاحظہ فرمائیں، ان آیات کے بارے میں جلالین وغیرہا میں صراحت ہے کہ یہ آیات کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئیں:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَأَبْتَغُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا﴾

[الاسراء: ۴۲]

تم فرماؤ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا یہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا﴾ [مریم: ۸۱]۔

اور اللہ کے سوا اور خدا بنائے تاکہ وہ انھیں زور دیں۔

﴿أَمْ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ۝ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ [الأنبياء: ۲۱ تا ۲۲]

ترجمہ آیت: کیا انھوں نے زمین میں سے کچھ ایسے خدا بنالیے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو وہ (زمین و آسمان) ضرور تباہ ہو جاتے تو پاکی ہے، اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔

﴿أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ﴾

[الأنبياء: ۴۳]۔

کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہم سے بچاتے ہیں، وہ اپنی ہی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی یاری (مدد) ہو۔

کفار مکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک خدا ہونے کے دعوے کا رد کرنے کے لیے آپ کو جادوگر، جھوٹا قرار دیتے اور ایک خدا ماننے پر تعجب کرتے اور کہتے کہ اتنی مخلوق کے لیے ایک خدا کس طرح کافی ہو سکتا ہے ان کے اس قول کو اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۝ أَجْعَلُ الْأَلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّا هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [ص: ۴، ۵]۔

ترجمہ: اور انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں کا ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا اور کافر بولے یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے، کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کر دیا بے شک یہ عجیب بات ہے۔

﴿قُلْ إِنَّمَا يُوحِي إِلَيَّ أَنَّكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [الأنبياء: ۱۰۸]۔

ترجمہ: تم فرماؤ مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا نہیں مگر ایک اللہ تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو۔

﴿إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ [الصافات: ۴]

بے شک تمہارا معبود ضرور ایک ہے۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [ص: ۶۵]

تم فرماؤ میں ڈر سنانے والا ہی ہوں اور معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ سب پر غالب۔

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو إله سمجھتے تھے اور ان کے اسی مشرکانہ عقیدہ کی وجہ سے انہیں صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو إله اور سب پر غالب آنے والی ذات ماننے کی دعوت دی گئی، درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں جس میں اس بات کا بیان ہے کہ مشرکین مکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات میں بتوں کو شریک ٹھہراتے تھے:

﴿الَّهُمَّ ارْجُلُ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنْظِرُونَ﴾ [الأعراف: ۱۹۵]

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں کہ جن سے گرفت کریں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں (اے محبوب، اے محمد) تم (مشرکین مکہ سے) فرماؤ کہ اپنے شریکوں کو پکارو اور مجھ پر ہر داؤں چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو۔

﴿وَلَا يَحْزَنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾

[یونس: ۶۵، ۶۶]

(نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا جاتا ہے:) اور (اے محبوب!) تم ان کی باتوں کا غم نہ کرو، بے شک ساری عزت اللہ کے لیے ہے، وہی جانتا سنتا ہے، سن لو بے شک اللہ ہی کے ملک ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمینوں میں اور (مشرکین مکہ وغیرہم کے بارے میں کہا گیا:)

کس چیز کے پیچھے جا رہے ہیں وہ جو اللہ کے سوا شریک پکا رہے ہیں وہ تو پیچھے نہیں جاتے مگر گمان کے اور وہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے۔

ان دونوں آیات اور تفسیر جلالین سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب بتوں کو خدائی میں شریک اور حصہ دار ٹھہراتے تھے ان تمام آیات سے ان لوگوں کے اس نظریے کا بطلان ثابت ہوتا ہے جو یہ باتیں پھیلاتے ہیں کہ مشرکین عرب بتوں کو نہ خدا سمجھتے اور نہ انہیں خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے۔
باقی رہی ان کی یہ بات کہ:

”مشرکین عرب کے بُت پہلی قوموں کے نیک اور صالح لوگ تھے ان سے محبت کرنے والوں نے پہلے ان کی تصویریں بنائیں اور اپنے گھروں میں آویزاں کیں، آہستہ آہستہ ان کی تعظیم میں اضافہ ہوتا رہا پھر ان کے مجسمے اور بت بنائے گئے، مشرکین کا ان نیک و صالحین کو وسیلہ سمجھنا ہی ان کا شرک تھا، اور آج بھی وہ لوگ جو اولیاء و انبیاء کو وسیلہ سمجھتے ہیں وہ ان مشرکین کی طرح کافر و مشرک ہیں“

یہ بات اس حد تک درست ہے کہ مشرکین عرب کے بعض بُت گذشتہ قوموں کے نیک لوگ تھے، اور خود سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تصویر تک نہ بنوائی اور اپنی امت کو بھی منع فرما دیا کہ بت پرستی کا آغاز تصاویر بنوانے سے ہی ہوا، لیکن مشرکین کا شرک ان نیک لوگوں کو وسیلہ سمجھنا نہ تھا بلکہ ان کو خدا قرار دینا تھا، ورنہ انہیں قرآن میں اس طرح کہا جاتا کہ اللہ کے کسی نیک بندے کو وسیلہ مت سمجھو حالانکہ کلام الہی میں کہیں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ نیک شخص اللہ تک پہنچنے کے

لیے وسیلہ نہیں بن سکتا، اصل تو حید یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی رالہ نہیں یعنی کوئی ایسی ذات نہیں جو اللہ کے اذن کی محتاج نہ ہو، کوئی ایسی ذات نہیں جو اللہ تعالیٰ پر غالب آجائے (معاذ اللہ) ان کا یہی عقیدہ تھا کہ ہمارے بت اللہ کے عذاب سے ہم کو بچالیں گے، وہ ہمیں نفع پہنچاتے ہیں چاہے اللہ تعالیٰ کا اذن ہو یا نہ ہو، ان کا شرک یہی تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں طرح طرح کی ہستیوں کو خدا قرار دے دیا تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی ہستی کو رالہ یعنی خدا قرار دینا کھلا شرک ہے، خواہ وہ ہستی نبی ہو یا ولی ہو، زندہ ہو یا قبر میں ہو اور کسی کو وسیلہ سمجھنا شرک نہیں ہو سکتا، چاہے جسے وسیلہ سمجھا جا رہا ہے وہ قبر میں ہو یا زندہ ہو، قرآن و حدیث میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا کہ زندہ سے مدد مانگ سکتے ہو قبر والے سے نہیں، اسی طرح کسی آیت میں اور نہ ہی کسی حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ زندہ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے مزار والے کو نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سے قبل انبیاء جو اپنے اپنے مزارات میں پہنچ چکے تھے ان کا وسیلہ بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جیسا کہ مروی ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لیے کھودی جانے والی لحد میں خود بنفس نفیس اترے، اپنے ہاتھ مبارک سے مٹی نکالی اور لحد میں لیٹے اور یوں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا فرمائی:

اللّٰهُ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، اغْفِرْ لِأُمِّي فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ، وَلَقِنَهَا حُجَّتَهَا، وَوَسَّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا، بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي، فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.

(”المعجم الكبير“ للطبرانی، ج ۱۸، ص ۸۲)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے اور وہ خود زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آسکتی،
 (اے اللہ) میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما دے اور (منکر نکیر کے جوابات دینے کیلئے)
 اسے اسکی دلیل سکھا دے، اسکی قبر کو کشادہ کر دے، تجھے تیرے نبی کا وسیلہ اور مجھ سے پہلے انبیاء کا
 وسیلہ، بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

اگر صرف وسیلہ سمجھنا شرک ہوتا تو قرآن عظیم مسلمانوں کو اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی کیوں
 تعلیم دیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ
 تُفْلِحُونَ﴾ [المائدة: ۳۵]۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اسکی راہ میں جہاد کرو اس امید
 پر کہ فلاح پاؤ۔

صحابہ کرام کے مجمع میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد
 المطلب کے وسیلے سے بارش کی دعا کیوں کرتے جیسا کہ صحیح بخاری میں امام بخاری روایت کرتے
 ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى
 بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ
 بِعِمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔

رواہ البخاری (۱۰۱۰)، کتاب الجمعة، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، وأخرجه البغوي في

شرح السنة ٤٠٩/٣، من طريق البخاري، ورواه عن أنس أيضا ابن خزيمة (٣٣٧/٢) رقم: (١٤٢١)، وابن حبان (١١٠/٧) كتاب الصلاة، باب صلاة الاستسقاء، والبيهقي في دلائل النبوة، جماع أبواب دعوات نبينا صلى الله عليه وسلم المستجابة في الأطعمة والأشربة، وبركاته التي ظهرت فيما دعا فيه (١٤٧/٦)، وفي السنن الكبرى للبيهقي (٣٥٢/٣)، وابن سعد في الطبقات [العباس بن عبد المطلب] (٢٨/٤، ٢٩) والتخريج من الشيخ عيسى المانع الحميري.

ترجمہ حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلے سے دعا کرتے اور کہتے اے اللہ ہمارے ہم تیری طرف ہمارے نبی کے وسیلے سے دعا کرتے تھے اور اب ہمارے نبی کے چچا کے وسیلے سے تجھ سے بارش کی دعا مانگتے ہیں ہمارے بارش عطا کر راوی کہتے ہیں: تو انہیں بارش دی جاتی۔

اس حدیث سے معلوم کہ بڑے مرتبے والا اپنے سے کم مرتبے والے کا وسیلہ بھی پیش کر سکتا ہے اس واقعہ میں حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے کو چھوڑ کر صرف حضرت عباس کا وسیلہ نہیں پیش کیا بلکہ اس طرح فرمایا کہ ہم ہمارے نبی کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رشتہ داری، نسبت اور تعلق ہی حضرت عمر کے مد نظر تھا ورنہ اس مجمع میں دیگر حضرات ایسے تشریف فرما تھے جو حضرت عباس سے مرتبے میں بڑھ کر تھے جیسے حضرت عثمان علی اور خود حضرت عمران دونوں حضرات سے مرتبے میں افضل تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رالہ ماننا شرک ہے اور الحمد للہ کوئی مسلمان، اس امت مرحومہ کا کوئی فرد کسی ولی کو، کسی نبی کو یہاں تک کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رالہ یعنی خدا نہیں کہتا، مسلمان انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے مددگار اور دافع البلاء سمجھتے ہیں، اس طرح کہ حقیقت میں مددگار اور بلائیں دفع کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے جبکہ اولیاء و انبیاء وسیلہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے تابع ہیں، یعنی انبیاء اور اولیاء کو مدد کرنے کے لیے اللہ کے اذن و اجازت کی ضرورت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرنا چاہے تو اسے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، باوجود اتنے بڑے فرق کے انبیاء و اولیاء کو وسیلہ سمجھنے والوں کو مشرکین مکہ کی مثل کہنا بہت بڑا ظلم و بد بختی ہے

پھر یہ کہ وسیلہ کسی بڑے تک پہنچنے کے ذریعے کو کہتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو وسیلہ بننے سے پاک ہے کہ اس سے بڑا ہے کون؟ جس کی طرف جانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنایا جائے، اور شرک کا معنی ہے برابری تو جب ایک شخص ولی کو خدا نہیں سمجھ رہا بلکہ وسیلہ سمجھ رہا ہے تو اسے شرک کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، الغرض محض تو سل کرنے پر شرک کا الزام لگانا سراسر باطل و مردود ہے۔

بسا اوقات مسلمانوں کو مشرکین مکہ کی طرح مشرک قرار دینے کے لیے یوں کہا جاتا ہے:

مشرکین اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے: لا شریک لک لیبیک إلا شریک تملکھ وما ملک. ترجمہ: اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ایسے شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ شریک تیرا مالک نہیں۔

اس معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بھی اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک و بندہ اور اللہ تعالیٰ کو ان کا مالک

سمجھتے تھے؛ لہذا کوئی اللہ کے سوا کسی کو مددگار و حاجت روا سمجھے چاہے اُسے اللہ کا بندہ خیال کرے
شرک سے نہیں بچ سکتا۔

جواب اعتراض: مذکورہ بالا قاعدے کو اگر مان لیا جائے تو کوئی مسلمان اسکی زد سے نہیں بچ سکتا،
ہر مسلمان کو مشرک ٹھہرانا پڑے گا؛ کیونکہ ایک دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ ایک مسلمان دوسرے
مسلمان کو بندہ سمجھ کر اُس سے اپنی حاجت روائی کراتا ہے، مثلاً: ہم ڈاکٹر کو خدا نہیں سمجھتے اسے بندہ
ہی سمجھ کر اس سے اپنی پریشانی و بیماری بیان کرتے ہیں، کسی دشمن سے بچنے کے لیے پولیس کو بندہ سمجھ
کر ہی مدد طلب کرتے ہیں، اپنے افسر یا سیٹھ سے قرضہ اسے انسان سمجھ کر ہی حاصل کرتے ہیں
الغرض اگر صرف حاجت روا سمجھنے پر انسان مشرک ہو جائے تو پھر کوئی مسلمان اپنے آپ کو مسلمان
نہیں کہلا سکتا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو بندہ سمجھ کر مدد مانگتا ہے کوئی مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے
سوا کسی اور کو خدا نہیں مانتا۔ دراصل اسلام نے جو توحید کا مفہوم سکھایا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ کے سوا ذاتی طور پر کوئی مددگار و حاجت روا نہیں اُسکے اذن کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا، کسی کو اللہ
تعالیٰ کے عطا و اذن کے بغیر حاجت روا و مددگار ماننا ضرور شرک ہے اور اللہ تعالیٰ اذن کے ساتھ
مددگار ماننا تو عین توحید ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾

[التحریم : ۴]

ترجمہ: تو بیشک اللہ اُن کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ بھی مددگار ہے اور نیک ایمان والے اور فرشتے بھی مددگار ہیں لیکن دونوں کے مددگار ہونے میں بڑا فرق ہے نیک ایمان والوں اور فرشتوں کو کسی کی مدد کرنے کے لیے اللہ عزوجل کے اذن کی ضرورت ہے جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو کسی کی مدد کرنے کے لیے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی کسی کو اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا کے بغیر مددگار مانے چاہے اُسے بندہ سمجھتا ہو چاہے زندہ ہو یا قبر میں ہو اسے تو ہم بھی شرک کہتے ہیں۔

شرک سے بچنے کے لیے صرف مملوک و بندہ مان لینا کافی نہیں جب تک اُس سے الوہیت یعنی خدا ہونے کی نفی نہ کر لی جائے، مشرکین بندہ تو مانتے تھے لیکن ساتھ میں انہیں خدا بھی مانتے تھے اور ان سے الوہیت کی نفی نہیں کرتے تھے اور الوہیت کا معنی یہی ہے کہ کسی کو غیر محتاج و بے نیاز قرار دیا جائے، اللہ کے اذن کا محتاج نہ سمجھنا اُسے خدا ٹھہرانا ہے، مشرکین مکہ و عرب کا نظریہ یہ تھا کہ معبودان باطلہ نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کر کے اُسے راضی کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آزاد کر کے خدائی میں شریک کر کے الہ بنا دیا ہے (معاذ اللہ) اب اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نفع دینا نہ بھی چاہے تو یہ اُسے نفع دے سکتے ہیں اسی طرح جسے چاہیں نقصان دے سکتے ہیں چاہے اللہ تعالیٰ اُسے نقصان دینا نہ چاہتا ہو، ایسا عقیدہ بلاشبہ شرک ہے جس کا اظہار اپنے تلبیہ [لا شریک لک لیبیک إلا شریکاً تملکھ وما ملک] میں اپنے بتوں کو خدا کا شریک کہہ کر کیا گیا ہے۔

جب صاف طور پر اپنے بت کو [إلا شریکا] کہہ دیا تو اب اس بات کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی کہ یہ کہا جائے کہ مشرکین مکہ اپنے بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے جب انہیں شریک کہہ دیا تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کس چیز میں اُسے شریک و حصہ دار مانا؟ ظاہر ہے انہیں الوہیت و خدائی میں شریک مانا۔ نعوذ باللہ۔

شریک اور حبیب میں بڑا فرق ہے! شریک حصہ دار کو کہتے ہیں جس طرح دو شخص مل کر کوئی مکان خریدیں تو اب دونوں اس کی ہر چیز کے مالک ہیں ہر ایک اس مکان کی کسی بھی چیز کو دوسرے سے پوچھے بغیر بیچ نہیں سکتا، جبکہ حبیب دوست کو کہتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مکان کا مالک اپنے دوست کو اپنا مکان رہنے کے لیے دیتا ہے اور اس مکان کو استعمال کرنے کا اختیار دیتا ہے کرم کرتے ہوئے زبردستی نہیں، ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حبیب مانتے ہیں شریک نہیں مانتے، ان کے لیے بلکہ ہر نبی و ولی کے لیے اختیارات و تصرفات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا و اذن کے ساتھ مانتے ہیں۔

کہنے کی حد تک کسی انسان کو کسی چیز کا مالک کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، کیونکہ ہم اور ہماری چیزیں سب اللہ تعالیٰ کی ہیں، میں اگر آپ کو اپنی کوئی چیز دے دوں تو میری ملک سے نکل کر آپ کی ملک میں داخل ہو جائے گی لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ملک سے نہیں نکل سکتی، کیونکہ میں اور آپ دونوں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں، ہر مسلمان کا اس بات کو سمجھنا ہے اور یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ اس کائنات کے ذرے ذرے کا حقیقی مالک صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے، کوئی ذرہ اس کی ملک سے باہر نہیں اور کوئی کسی ذرے میں اس کا شریک نہیں۔

ہندوؤں کے عقائد

مسٹر رائے بہادر اپنی کتاب بنام ”دھرم شاستر“ میں لکھتے ہیں:

ہندو دھرم کے تین بڑے خدا، برہما جی، وشنو جی، اور شیو جی ہیں، ہر دیوتا اپنی جگہ پر عظیم اور بڑا

ہے۔

ڈاکٹر شرمانے اپنی کتاب "HINDU ETHICS" میں ان تینوں کی صفات بیان کی

ہیں:

برہما: اس دیوتا کو عالم کا خالق اور کائنات کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے، ان تینوں دیوتاؤں میں

برہما کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔

وشنو: وشنو اصلیت کے اعتبار سے آرین دیوتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس دیوتا کی

حیثیت بڑھتی رہی، اور پھر جلد اسے خدائے مطلق کا درجہ حاصل ہو گیا۔

شیو: ہندوؤں کے عقیدہ تری مورتی میں شیو تباہی و بربادی کا دیوتا کہلاتا ہے۔

ہندو عقیدہ یہ ہے کہ اصل دیوتا تین ہیں برہما، وشنو اور شیو، برہما پیدا کرتا ہے، وشنو پالتا ہے اور

شیو فنا کرتا ہے۔

[”ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ“، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید، ص ۵۳ COMPARATIVE

[STUDY OF RELIGIONS

یعنی ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کائنات کا نظام تین طاقتیں مل کر چلا رہی ہیں، ایک خدا نے

پیدا کیا ہے، تو دوسرا خدا پال رہا ہے اور ہر قسم کا نفع اس کے ہاتھ میں ہے، یہ دوسرا خدا پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے، نقصان دینے والا تیسرا خدا ہے، یہ نفع و نقصان دینے والے خدا مختلف صورتوں میں آتے رہتے ہیں، رام اور سیتا اگرچہ بظاہر راجہ رانی تھے، لیکن ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق دراصل یہ سب وشنو دیوتا کے اوتار تھے، یعنی مختلف صورتیں تھیں، اور نقصان دینے والی چیزیں مثلاً سانپ، آگ وغیرہ شیو دیوتا کے اوتار ہیں۔

عیسائیوں کا عقیدہ

عیسائیوں کا اللہ عزوجل کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات تین اجزاء سے مرکب ہے، اس عقیدے کو تثلیث کہتے ہیں، یعنی باپ، بیٹا اور روح، یہ تین مل کر اللہ ہیں، ہر ایک خدائی کا لازمی جزء ہے، ہر جزء کو اقنوم کہتے ہیں، اور باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں کو عیسائی اقا نیم ثلاثہ کہتے ہیں، یعنی ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی ذات سے ایک ٹکڑا الگ ہوا اور وہ ٹکڑا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام بن کر دنیا میں آیا، اور چونکہ بیٹا باپ کا جزء اور ٹکڑا ہوتا ہے، لہذا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی اللہ عزوجل کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اور اللہ عزوجل کی ذات میں جو محبت کا مادہ پایا جاتا ہے وہ محبت کا مادہ روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کے پاس بھیجا تھا۔ عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علی نبینا

وعلیه الصلاة والسلام اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الگ سے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ یہ دونوں اللہ عزوجل سے الگ ہوئے ہیں، اور قدیم ہیں، لہذا ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، اور یہ تینوں ملکر اللہ ہیں۔ (معاذ اللہ)

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید لکھتے ہیں: (عیسائیوں کی ایک تنظیم) نیقہ کونسل نے انہیں (یعنی اقا نیم ثلاثہ کو) قبولیت بخشی (اس کونسل کے مطابق) یہ تینوں اقا نیم مساویانہ، برابر برابر کے درجہ کے حامل ہیں اور کسی کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں، اور بقول انجیل یوحنا ان اقا نیم میں سے باپ اور بیٹا ایک ہے:

I am and my father are one (john 10:30)

نیقہ کی کونسل کے اقا نیم ثلاثہ میں مریم رضی اللہ عنہا کا کوئی ذکر نہ تھا، لہذا ۱۹۳۰ء میں بطریق اعظم سائبہرل نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بھی تثلیث کا لازمی جزء قرار دے دیا، اور اس کے بعد حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی مورتی کو عیسائی عبادت گاہوں میں رکھنے کا رواج شروع ہو گیا، جس نے آگے چل کر عیسائیت میں بت پرستی شروع کرادی۔ اللہ عزوجل قرآن عظیم میں عیسائیوں کے کفر و شرک کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾

[المائدة: ۷۳]

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا۔ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

www.gulfishanmasjid.com

یہ قول نصاریٰ کے فرقہ مرقوسیہ و نسطوریہ کا ہے، اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے انکی مراد یہ تھی کہ اللہ اور مریم اور عیسیٰ تینوں الہ ہیں، اور الہ ہونے میں سب مشترک ہیں۔ متکلمین فرماتے ہیں کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ: باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں ایک خدا ہیں۔

صدر الافاضل کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے اس قول ﴿إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ﴾ یعنی اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے، کے دو معنی ہو سکتے ہیں، یا تو ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ اور مریم اور عیسیٰ، تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ اپنی جگہ خدا ہے، اور اللہ ان تین خداؤں میں سے تیسرا ہے، یا انکے ﴿ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ﴾ کہنے کا یہ مقصد ہے کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں ملکر ایک خدا ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

اللہ عزوجل قرآن عظیم میں عیسائیوں کے ایک اور گروہ کے کفر و شرک کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا رَبِّي وَرَبَّكُمْ ط إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾

[المائدة: ٧٢]

ترجمہ: بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے، اور مسیح نے تو یہ کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب اور تمہارا رب، بیشک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں تفسیر خازن کے حوالے سے فرماتے ہیں: نصاریٰ (یعنی عیسائیوں) کے بہت فرقے ہیں، ان میں یعقوبیہ اور مکانیہ کا یہ قول تھا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ یعنی اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے، وہ کہتے تھے کہ مریم نے إله (یعنی خدا) جنا اور یہ بھی کہتے تھے کہ إله نے ذات عیسیٰ میں حلول کیا (یعنی خدا عیسیٰ کی ذات میں اتر آیا) وہ انکے ساتھ متحد ہو گیا، (یعنی خدا اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں ایک ہو گئے)۔

مسلمانوں کا عقیدہ

جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارا پیدا کرنے والا اللہ عزوجل ہے، ہمیں پالنے والا اللہ عزوجل ہے، اور نفع و نقصان کا حقیقی مالک اللہ عزوجل ہے، وہ اکیلا ہے، یکتا ہے، اُسکی چاہے کے بغیر ایک پتّا بھی نہیں ہل سکتا، یہ عقیدہ ہر مسلمان کا ہے، خواہ وہ کتنا ہی جاہل کیوں نہ ہو، آپ کسی بھی مسلمان سے پوچھ لیں کہ کیا اللہ عزوجل کے چاہے بغیر پتا ہل سکتا ہے؟ وہ کیا جواب دے گا؟ وہ فوراً جواب دے گا کہ ہرگز نہیں، آپ بتائیے کہ اُس نے لا إله إلا الله کی گواہی کا ثبوت دیا یا نہیں؟ یہ کہہ کر کہ اللہ عزوجل کے چاہے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا، اُس جاہل اور ان پڑھ مسلمان نے (جو عظمت میں عند اللہ بہت بڑا ہے) اپنے اس جملے سے یہ ثابت کر دیا کہ إله یعنی خدا صرف اللہ عزوجل

ہے، اس لیے کہ اللہ کا معنی یہی ہے کہ جو خود کسی کا محتاج نہ ہو، بلکہ ہر چیز اس کے اذن کی محتاج ہو، اسی طرح کیا کبھی کسی مسلمان کو اللہ عزوجل کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کبھی آپ نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے بیٹے ہیں! ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، اس لیے کہ مسلمان کا عقیدہ ہے لا الہ الا اللہ اسی کلمے سے اللہ عزوجل کی اولاد کی بھی نفی ہوگئی، کہ اولاد وہی ہو سکتی ہے جو اسکی جنس سے ہو، انسان کی اولاد انسان ہوتی ہے، شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے، اگر بالفرض محال رحمٰن کا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی اللہ ہوتا اور دو اللہ نہیں ہو سکتے؛ لہذا رحمٰن کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا، اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ایک عام مسلمان کا بھی عقیدہ یہ ہے:

اللہ عزوجل ایک ہے۔

اللہ عزوجل کے سوا کوئی اللہ نہیں۔

اللہ عزوجل کی کوئی اولاد نہیں۔

اب بتائیے کہ یہ کہنا کیسے درست ہے کہ آج کل شرک بہت پھیل گیا ہے، اور بعض کا یہ کہنا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔ معاذ اللہ ہماری معلومات میں تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کے برابر کرتا ہو، چہ جائیکہ وہ اللہ عزوجل سے بڑھا دے۔

سوال: آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ کوئی اللہ عزوجل کی ذات کا جزء یا حصہ نہیں، تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کا کیا معنی و مفہوم ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے، ترجمہ: ”اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام عالم سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا“ کیا اس سے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور اللہ عزوجل کے نور کا ٹکڑا ہے؟! سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اس حدیث کی سند کو عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے صحیح قرار دیا ہے، ہمیشہ سے ہر دور میں علماء نے اس حدیث کو بیان کیا ہے، چنانچہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ”فتاویٰ رضویہ“ میں اس حدیث کو اس طرح نقل فرماتے ہیں:

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ الاستاذ (یعنی استاد کے استاذ) حافظ الحدیث علامہ عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام اپنی مصنف میں حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز پیدا کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یا جابر! إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ)). ذكره الإمام القسطلاني

في ”المواهب اللدنية“ وغيره من العلماء الكرام.

”الفتاویٰ الرضویہ“، ج ۳۰، ص ۶۶۱ بحوالہ: المواهب اللدنیہ المقصد الأول، ج ۱، ص ۷۱،

المکتب الاسلامی بیروت.

ترجمہ: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام عالم سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

البتہ یہاں اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث سے کیا مراد ہے اور اس بارے میں ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ اہل اسلام کا اس حدیث سے ثابت ہونے والے عقیدے اور عیسائیوں کے عقیدے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، عیسائی اپنے باطل اور شرکیہ عقیدے کو اس طرح سمجھاتے ہیں، مثلاً لوہے کی ایک بڑی چادر سے اگر دروازہ، کھڑکی، اور میز تین چیزیں بنائی جائیں تو اصل لوہے کے تین حصے ہوئے، مادہ وہی رہا، صرف شکل تبدیل ہوگئی تینوں چیزوں کا مادہ پہلے سے موجود تھا، ایک چیز کے تین نام ہیں، اب چاہے تینوں کو لوہا کہو درست ہے یا ان میں سے ہر ایک کو جدا جدا لوہا کہو، بات ایک ہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے تین حصے ہوئے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ ہے، دوسرا حصہ الگ ہوا اور عیسیٰ بن گیا، اور تیسرا حصہ جبرائیل ہے۔ اب چاہے ہر ایک کو خدا کہا جائے یا تینوں کے مجموعے کو خدا سمجھا جائے ایک ہی بات ہے۔ (معاذ اللہ) عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا حصہ کہتے ہیں، اور اسی وجہ سے قدیم بھی کہتے ہیں، یعنی انکے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا نہیں کیا گیا بلکہ وہ جزء الہی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ سے ہیں۔

جبکہ اہل اسلام نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا نہ حصہ مانتے ہیں اور نہ ہی قدیم مانتے ہیں، یعنی یہ معنی نہیں کہ اللہ عز وجل کا نور مادہ تھا اور نور الہی سے ایک ٹکڑا الگ ہو کر نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بن گیا، معاذ اللہ ہرگز نہیں، بالفرض اگر کوئی شخص یہ عقیدہ

رکھے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کا ٹکڑا ہے، تو بے شک اس کا یہ عقیدہ کھلا شرک ہے، جیسا کہ امام اہل سنت ”فتاویٰ رضویہ شریف“ میں فرماتے ہیں:

ہاں! عین ذات الہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ذات الہی، ذات رسالت کیلئے مادہ ہے، جیسے مٹی سے انسان پیدا ہو، یا ذات الہی کا کوئی حصہ یا کل ذات نبی ہو گیا، اللہ عز وجل حصے، یا ٹکڑے، یا کسی کے ساتھ یکجا ہو جانے سے، یا کسی شے میں حلول فرمانے (یعنی داخل جانے) سے پاک و منزہ ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، خواہ کسی شے کو جزء ذات الہی، خواہ کسی مخلوق کو عین و نفس ذات الہی ماننا کفر ہے۔

(”فتاویٰ رضویہ“، ج ۳۰، ص ۶۶۶ مطبع رضا فاؤنڈیشن لاہور)۔

ایک اور فتویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ عز وجل اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس کی ذات سے جدا ہو کر مخلوق بنے۔

(”فتاویٰ رضویہ“، ج ۳۰، ص ۶۶۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

حاشا للہ...! یہ کسی مسلمان کا عقیدہ تو کیا، گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ نور رسالت یا کوئی چیز (معاذ اللہ) ذات الہی کا جزء یا عین و نفس ہے، ایسا اعتقاد ضرور کفر و ارتداد۔

(”فتاویٰ رضویہ“، ج ۳۰، ص ۶۸۲)۔

اہل اسلام کا نورِ الہی کے بارے میں عقیدہ

اس بات کا سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نورِ الہی سے کیا مراد ہے، کیا اللہ کے نور سے مراد روشنی (light) ہے؟ اس بارے میں علماء اسلام نے جو بیان فرمایا ہے اسے ”تفسیر کبیر“ میں امام فخر الدین رازی نے تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لغوی لحاظ سے نور کا معنی روشنی ہے اور روشنی اُس کیفیت کو کہتے ہیں جو چاند، سورج اور آگ سے نکل کر دیوار اور زمین پر پڑے، اللہ تعالیٰ کی ذات کو روشنی نہیں کہا جاسکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ روشنی کسی جسم کی محتاج ہوتی ہے اور جو کسی کا محتاج ہو وہ الہ نہیں ہو سکتا ایک اور وجہ یہ ہے کہ روشنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾ یعنی اندھیرے اور روشنی کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جو مخلوق ہو الہ نہیں ہو سکتا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن عظیم میں فرمایا گیا ہے: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ یعنی اللہ زمین و آسمان کا نور ہے، اس کا کیا معنی ہے؟ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ نور بمعنی روشنی اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں لہذا مفسرین نے مندرجہ بالا آیت کے لفظ ﴿نور﴾ کے متعدد ایسے معنی بیان فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں، ذیل میں تفسیر کبیر وغیرہا سے ملاحظہ فرمائیں:

أَنَّ الْمُرَادَ: اللَّهُ هَادِي أَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالْأَكْثَرِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

نور کا ایک معنی ہدایت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ زمیں و آسمانوں میں موجود ہر مخلوق کا ہادی (ہدایت دینے والا) ہے۔

(۲) وثانیہا: المراد أنه مدبر السموات والأرض.

نور کا ایک معنی تدبیر کرنے والا ہے لہذا اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ زمیں و آسمان کی تدبیر کرنے والا ہے۔

(۳) وثالثها: المراد ناظم السموات والأرض.

تیسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کا زمیں و آسمان کے نظام کو چلانے والا ہے۔

(۴) ورابعها: معناه منور السموات والأرض.

نور کا ایک اور معنی منور (روشن کرنے والا) ہے، معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ زمیں و آسمان کو روشن کرنے والا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ امام غزالی اور علامہ زرقانی کے حوالے سے ایک اور معنی فتویٰ رضویہ میں نقل فرماتے ہیں:

(۵) فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الظَّاهِرُ بِنَفْسِهِ الْمَظْهَرُ لِغَيْرِهِ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِنْ فِيهِنَّ وَسَائِرِ الْمَخْلُوقَاتِ.

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ عز و جل خود ظاہر ہے، اور زمین و آسمان میں پائی جانے والی تمام مخلوق کو ظاہر (یعنی پیدا) کرنے والا ہے۔

جس طرح قرآن عظیم میں وارد لفظ ﴿نُور﴾ کے ظاہری معنی نہیں لیے جائیں گے بلکہ ایسے معنی لیے جائیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے شایان شان ہو ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے لیے حدیث میں وارد لفظ ((من نورہ)) میں نور کے وہ معنی ہی لیے جائیں گے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ عظمت کے لائق ہوں چنانچہ علماء اسلام نے اس حدیث کی شرح میں دو معنی بیان کیے ہیں:

معنی اول:

اس حدیث میں وارد ((من نورہ)) میں نور سے مراد اللہ کی ذات ہے، حدیث کا ترجمہ اس طرح ہوگا:

اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات نے تمام عالم سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ جیسا کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت اس حدیث کی شرح امام زرقانی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

من نور ہو ذاته یعنی ((من نورہ)) میں نور سے مراد اللہ کی ذات ہے۔

(”فتاویٰ رضویہ“، ج ۳۰، ص ۶۶۵)

معنی ثانی:

اس حدیث میں وارد ((من نورہ)) میں نور سے مراد اللہ کی قدرت ہے، حدیث کا ترجمہ اس طرح سے بھی ہو سکتا ہے:

اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے (کسی چیز کے واسطے کے بغیر) تمام عالم سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا۔

اس کی تائید تفسیر ”روح البیان“ کی عبارت سے بھی ہوتی ہے جسے مفتی نور اللہ بصیر پوری اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے مفسر اسماعیل حق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَسَمَّى الرَّسُولَ نُورًا؛ لِأَنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ أَظْهَرَهُ الْحَقُّ بِنُورِ قُدْرَتِهِ مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ
كَانَ نُورَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ: ((أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي)).

(”فتاویٰ نوریہ“، ج ۵، ص ۶۶، مطبوعہ ضلع اوکاڑہ).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور اس لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس چیز کو حق تعالیٰ نے عدم کے اندھیروں میں سے اپنے نور قدرت سے پیدا کیا وہ جناب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نور تھا جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا: جسے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے۔

اس حدیث کی شرح امام اہلسنت رحمہ اللہ مزید کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

اس تخلیق کے اصل معنی تو اللہ و رسول جانیں جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم میں ذات رسول کو تو کوئی پہچانتا نہیں، حدیث میں ہے: ((يا أبا بكر لم يعرفني حقيقة غيري)) (اے ابو بکر! مجھے جیسا میں حقیقت میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا)۔ ذات الہی سے اس کے پیدا ہونے کی حقیقت کسے مفہوم ہو؟ مگر اس میں فہم ظاہر ہیں کا جتنا حصہ ہے (جو ہمیں عقیدہ رکھنا ہے) وہ یہ ہے کہ حضرت حق عز جلالہ

نے تمام جہان کو حضور پر نور محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے پیدا فرمایا، حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا تو سارا جہاں ذات الہی سے بواسطہ حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوا یعنی حضور کے واسطے (سے)، حضور کے صدقے، حضور کے طفیل میں بخلاف ہمارے حضور عین النور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں، اپنے رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں تو ذات الہی سے بلا واسطہ پیدا (ہوئے) ہیں، زرقانی شریف میں ہے:

من نور هو ذاته لا بمعنى أنها مادة خلق نوره منها بل بمعنى تعلق الإرادة به بلا واسطة شيء في وجوده.

اس نور سے یعنی ذات الہی سے پیدا کیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مادہ ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا گیا، بلکہ آپ کے نور کے ساتھ کسی چیز کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہوا۔

(”فتاویٰ رضویہ“، ج ۳۰، ص ۶۶۸، بحوالہ ”شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ“، ج ۱، ص ۵۵، مطبع رضا فاؤنڈیشن لاہور).

الحاصل حدیث شریف میں وارد (من نورہ) یعنی اللہ کے نور سے مراد روشنی نہیں کہ کوئی جزئیات کا اعتراض کرے بلکہ اس نور سے مراد اللہ کی ذات ہے، حدیث سے مراد یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمام جہاں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے واسطے سے پیدا کیا اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو بلا واسطہ خود اللہ نے پیدا کیا“ جیسا کہ امام اہل سنت رحمہ اللہ امام

زرقانی کے حوالے سے صراحت فرما چکے کہ (من نورہ) سے مراد اللہ کی ذات ہے، اور اگر (من نورہ) میں نور سے مراد ذات نہ لی جائے تو نور بمعنی ارادہ و قدرت لیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ”فتاویٰ رضویہ“ میں منقول ”شرح زرقانی“ کی عبارت (تعلق الإرادة به بلا واسطة شيء في وجوده) سے مستفاد ہے، اس صورت میں حدیث کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔“

اس تمام تفصیل سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو حدیث کا معنی و مفہوم سمجھے بغیر روایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کر دیتے ہیں اگر یہ حضرات صحابہ و سلف صالحین کے طریقہ پر چلتے تو گمراہ نہ ہوتے چنانچہ ہمارے اسلاف متقدمین و متاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں وارد کلمات متشابہات پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ بالاتفاق یہ یقین رکھتے تھے کہ جو معنی ہمیں سمجھ آ رہے ہیں وہ مراد الہی نہیں، پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ سلف کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے اور اسی میں زیادہ سلامتی ہے کہ اسکی مراد اللہ ہی جانتا ہے جیسا کہ امام اہل سنت رحمہم اللہ درج ذیل آیات کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ [البقرة: ۱۴].

ترجمہ کنزالایمان: اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ [الأعراف: ۵۴].

پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ [القلم: ۴۲].

ترجمہ کنز الایمان: جس دن ایک ساق کھولی جائے گی۔

جبکہ متاخرین قرآن و سنت میں وارد متشابہ لفظ کی تاویل ایسے معنی سے کرتے تھے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان کے مناسب ہو جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لیے وارد استہزاء کا لغوی معنی ٹھٹھا کرنا، استواء کا معنی سیدھا ہو کر ٹھہرنا، ساق کا معنی پنڈلی ہے، جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ان تمام باتوں سے پاک و منزہ ہے، متقدمین و متاخرین کا اس بات میں اتفاق ہے کہ ان کلمات متشابہات سے لغت جو ہمیں سمجھ آ رہا ہے وہ مراد الہی نہیں، مراد الہی کیا ہے؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، ہمارا کام ایمان لانا ہے، جبکہ متاخرین ان کلمات کے ایسے معنی سے تاویل کرتے ہیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں؛ تاکہ عوام کو سمجھانا آسان ہو اور وہ ذات و صفات میں غور و خوض سے بچ کر اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں، متاخرین کے نزدیک استہزاء سے مراد اللہ تعالیٰ کی سزا، استواء سے قصد و ارادہ، ساق سے حساب کی سختی ہے، اسی طرح حدیث سیدنا جابر رضی اللہ عنہ میں اللہ کی ذات کے لیے وارد لفظ ”نور“ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، مذہب سلف کے مطابق احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا ترجمہ تک نہ کیا جائے اور بمطابق حدیث صحیح اس طرح کہا جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے ”نور“ سے نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا واسطہ تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا، اور اللہ کے ”نور“ سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور متاخرین کے طریقے کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ نور سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات یا اسکی قدرت و ارادہ ہے۔

پھر ایک مزید شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے امام اہلسنت فرماتے ہیں:

لَا أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَفَاضَ الوجودَ مِنْ حَضْرَةِ الْعِزَّةِ، ثُمَّ أَفَاضَ الوجودَ عَلَى سَائِرِ الْبَرِيَّةِ، كَمَا تَزْعُمُ كُفْرَةُ الْفَلَّاسِفَةِ مِنْ تَوْسِيطِ الْعُقُولِ، تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا، هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ؟

(”الفتاوى الرضوية“، ص ۶۶۷، ج ۳۰)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا کیا پھر اس نور نے تمام جہاں کو پیدا کیا (معاذ اللہ) بلکہ اللہ تعالیٰ نے نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا، پھر اس نور سے تمام جہاں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خالق ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر حدیث شریف کے لفظ ”من نورہ“ کی وجہ سے کسی کو وہم ہو کہ جب یہ کہہ دیا گیا کہ اللہ نے اپنے نور سے پیدا کیا تو اس سے تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا اللہ تعالیٰ کا جزء ہونا ہی سمجھ آ رہا ہے، اس وہم کو دفع کرنے کے لیے علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”عقائد و نظریات“ کے رسالہ نور میں جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ مَنْ کا معنی ہر جگہ جزء نہیں کیا جاتا جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ﴾

[نساء: ۱۷۱]

ترجمہ کنز الایمان: مسیح مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ [جاثیہ: ۱۳]

ترجمہ کنز الایمان: اور تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے۔

پہلی آیت مبارک میں عیسیٰ علیہ السلام کو ﴿رُوحٌ مِّنْهُ﴾ اور دوسری آیت مبارکہ میں جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اسے ﴿جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ فرمایا گیا ہے، ان دونوں آیات میں مِّنْ سے مراد جزء نہیں جس سے کوئی یہ معنی نکالے کہ معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السلام اور زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کا جزء ہیں بلکہ ﴿رُوحٌ مِّنْهُ﴾ کا معنی ہے اس کی طرف سے روح اور ﴿جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ کا معنی ہے سب اس سے ہیں یعنی سب اللہ کے حکم سے ہیں، ایسے ہی نور اللہ کا معنی ہے اللہ کی طرف سے نور، جس طرح ان دونوں آیات میں ”مِّنْ“ سے جزء مراد نہیں لیا جائے گا ایسے ہی حدیث شریف ((یا جابر! إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْیَاءِ نُورَ نَبِیِّكَ مِنْ نُورِهِ)) میں ”مِنْ نُورِهِ“ کے لفظ ”مِنْ“ سے جزء مراد نہیں لیا جائے گا۔

مزید تفصیل کے لیے ”فتاویٰ رضویہ“، جلد ۳۰، صفحہ ۶۵۷ تا ۷۷۲، کتاب ”عقائد و نظریات“ کا مطالعہ فرمائیں، اور عربی میں اس موضوع پر مایہ ناز کتاب ”نور البدایات و ختم

النہایات“ کا مطالعہ فرمائیں، جسے مؤلف کتاب شیخ عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع حمیری سابق وزیر اوقاف دہلی نے سن ۲۰۰۵ عیسوی میں خود شائع کروائی ہے، اس کتاب سے صرف ایک اقتباس عربی دان حضرات کے لیے پیش خدمت ہے، ترجمہ کی حاجت اس لیے نہیں کہ اس عبارت کے تقریباً مضامین اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں:

أولاً: النور الإلهي:

قال ابن منظور: من أسماء الله تعالى النور، قال ابن الأثير: هو الذي يبصر بنوره ذو العماية ويرشد بهداه ذو الغواية، وقيل: هو الظاهر الذي به كل ظهور والظاهر لنفسه والمظهر لغيره يسمّى نوراً، قال الله عز وجل: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ أي هادي أهل السموات والأرض.

ثانياً: النور المحمدي:

اعلم أنّ النور المحمدي على صاحبه أفضل الصلاة والتسليم نور حقيقي ذاتي، إلا أن غيبي من عند الله تعالى، لا كما يتوهم بعض المنكرين أننا نقول: إنه نور من ذات الله تعالى، فمن اعتقد أن الرسول ﷺ بعض من الله تعالى فقد كفر اتفاقاً، لأن الله تعالى واحد في ذاته غير مركب وكذلك من اعتقد أن الله نور حسي، له شعاع حقيقي كما في نور القمر فقد كفر وضلّ ضلالاً مبيناً حيث شبه الخالق بالمخلوق.

ثم إن النور المحمدي نور أصلي ذاتي أولي حقيقي غيبي حادث روحاني تفيض

منه جميع الأنوار، وتظهر به جميع الأرواح والأشباح وكل الموجودات، وهو الأمر الأول الذي صدر عن الحق تعالى، فالنور المحمدي هو عالم الأمر المطلق وإليه تضاف الأرواح وهو المراد من قوله تعالى: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ [الإسراء: ٨٥].

سوال: شرک فی الصفات کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ایک صفت میں بھی کسی کو شریک ماننا، شرک فی الصفات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں کو اللہ تعالیٰ کے برابر علم ہے یا فلاں اللہ کی طرح سننے والا ہے لیکن اگر بندے کے لیے ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے برابری نہیں ہو جائے گی، مثلاً کہا جائے کہ اللہ موجود ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہا جائے کہ ناصر بھائی موجود ہے، لفظ تو ایک استعمال ہوا لیکن معنی میں فرق ہے، شرک جب ہوتا جب معنی میں برابری ہوتی، اسی طرح اللہ عز و جل علیم ہے اور وہ خود قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علماء و علیم فرماتا ہے، جیسی اسکی صفات ہیں ویسی مخلوق میں سے کسی کی کوئی ایک صفت بھی نہیں، مخلوق میں سے کسی کی طرف کسی صفت کی نسبت تو کی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کی صفت کے معنی میں کئی اعتبار سے فرق ہے، امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ ”الدولة المکیة“ میں ان فرقوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ اللہ کا علم ذاتی ہے۔

☆ اللہ کا علم اس کی ذات کیلئے واجب ہے (یعنی وہ اللہ ہے جسکی ذات ہی ایسی ہے کہ اسے ہر چیز کا علم ہونا ضروری ہے)۔

☆ اللہ کا علم، ازلی، سرمدی، قدیم، حقیقی ہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ سے ہے)

☆ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا علم مخلوق نہیں۔

☆ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا علم کسی کے زیرِ قدرت نہیں۔

☆ علم الہی کسی طرح بدل نہیں سکتا۔

☆ علم الہی کا ہمیشہ رہنا واجب ہے۔

اس کے برعکس:

☆ مخلوق کا علم عطائی ہے۔

☆ مخلوق کا علم اس کے لیے ممکن ہے (یعنی ضروری نہیں کہ مخلوق کو ہر چیز کا علم ہو، ممکن

ہے کہ کسی چیز کا علم ہو، کسی کا نہ ہو)۔

☆ مخلوق کا علم حادث ہے اس لیے کہ تمام مخلوق حادث ہے (ہمیشہ سے نہیں)

☆ مخلوق کا علم بھی مخلوق (پیدا کیا گیا ہے)۔

☆ مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کی قدرت میں، اس کے زیرِ دست ہے۔

☆ مخلوق کا علم بدل سکتا ہے۔

☆ علم مخلوق کی فنا ممکن ہے۔

(پھر فرماتے ہیں): ان فرقوں ہوتے ہوئے برابری کا وہم نہ کرے گا مگر وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور انہیں بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

(”الدولة المكية“، ص ۷۸، مترجم از حجة الاسلام حامد رضا خان رحمہ اللہ).

باوجود اس کے، صرف ایک سلفظ استعمال کرنے پر کوئی شرک کا الزام لگائے، اگرچہ معنی میں برابری مقصود نہ ہو، تو ایسے شخص سے پوچھا جائے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ پر بھی شرک کا الزام لگائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کئی ایسے الفاظ جو اس نے اپنے بندوں کے لیے قرآن عظیم میں نازل فرمائے ہیں، وہی الفاظ قرآن عظیم میں خود اپنی ذات اقدس کے لیے ذکر فرمائے، آیات ملاحظہ فرمائیے:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی ذاتِ عالی کے لیے ارشاد فرمایا:

۱۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَكَرُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [البقرة: ۱۴۳].

ترجمہ: بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان، مہر والا ہے۔

اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ مِّمَّ بِالْمُؤْمِنِينَ

رءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [التوبة: ۱۲۸].

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا

گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان۔

۲۔ ﴿فَعِنْدَ اللَّهِ نَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [النساء: ۱۳۴].

ترجمہ: تو اللہ ہی کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا انعام ہے اور اللہ سنتادیکھتا ہے۔

اور اپنے بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أُمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

[الإنسان : ۲].

ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ اسے جانچیں، تو اسے سنتا دیکھتا کر دیا۔

۳۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرة : ۱۱۵].

ترجمہ: بے شک اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿إِنِّي حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ [یوسف : ۵۵].

ترجمہ: بے شک میں حفاظت والا، علم والا ہوں۔

۴۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِیلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِیْرٌ﴾

[التحریم : ۴].

ترجمہ: تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد

پر ہیں۔

۵۔ ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِیْمٌ﴾ [البقرة : ۲۱۸].

ترجمہ: اور اللہ بخشنے والا، حلم والا ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ﴾ [ہود: ۷۵]۔

ترجمہ: بے شک ابراہیم تحمل والا، بہت آہیں کرنے والا، رجوع لانے والا ہے۔

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾ [الأحزاب: ۳۷]۔

ترجمہ: اور اے محبوب! یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی۔

ان آیات میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رؤف، رحیم، سمیع، بصیر، علیم، مولیٰ، حلیم ذکر فرمایا ہے، یہی الفاظ اپنے بندوں کے لیے ذکر فرمائے ہیں، اس سے روزِ روشن کی طرح معلوم ہوا کہ ایسا لفظ جو صفت کے معنی رکھتا ہو اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہو وہی لفظ مخلوق میں سے کسی کے لیے استعمال کرنے سے برابری نہیں ہوا کرتی، بلکہ برابری اس وقت ہوگی جب معنی میں برابری ہو، یعنی اللہ کے علاوہ کسی کے لیے اللہ کی طرح ذاتی، لامحدود، اور مستقل صفت ثابت کی جائے، صفتِ الہی کی نسبت کرنے سے برابری کا وہم کرنا شیطانی خیال، اور مسلمانوں پر شرک کا الزام لگانا، شیطان کے وار کو کامیاب کرتے ہوئے خود اپنے گلے میں کفر کا پھندا پہننے کے مترادف ہے، اللہ عز و جل ہمیں محفوظ فرمائے۔

بد مذہب، اہل سنت پر کبھی اس طرح تہمت شرک لگاتے ہیں کہ آپ شرک فی الذات تو نہیں کرتے مگر انبیاء و اولیاء کے لیے ایسی صفات ثابت کرتے ہیں جو اللہ عز و جل کے ساتھ خاص ہیں،

بغیر دلیل کے کسی پر الزام لگانا بہت آسان کام ہے، آپ کے سامنے سیدی امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کچھ عبارات پیش کی جاتی ہیں، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل سنت کا اللہ عزوجل کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ”فتاویٰ رضویہ شریف“ میں فرماتے ہیں:

بلاشبہ حق یہی ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام و ملائکہ مقررین اولین و آخرین کے مجموعہ علوم مل کر بھی علم باری تعالیٰ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو ایک بوند کے کروڑوں حصے کو کروڑوں سمندروں سے ہے۔

(”فتاویٰ الرضویۃ“، ج ۱۵، ص ۳۷۷)۔

مزید ایک مقام پر امام اہل سنت علیہ الرحمۃ میں فرماتے ہیں:

بلاشبہ جو غیر خدا کو بے عطائے الہی خود بخود علم مانے قطعاً کافر ہے اور جو اُس کے کفر میں تردد کرے وہ بھی کافر۔

(”فتاویٰ الرضویۃ“، ج ۲۹، ص ۴۰۷)۔

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ ”الدولة المکیّة“ میں فرماتے ہیں:

أقول: ولو قطعنا فيه النظر عما مرّ لكفى برهاناً عليه قوله تعالى: ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ [النساء: ۱۲۶] وذلك أنّ ذاته تعالى غير متناهية فلا يمكن لأحد من خلقه أن يعلمه كما هو بحيث يصحّ أن يقال: الآن عرف الله تعالى عرفاناً تامّاً لم يبق بعده في المعرفة شيء فإنه لو كان كذا لأحاط ذلك العلم بذاته تعالى فكان تعالى

محاطاً له وهو متعال عن يحيط به أحد، بل هو بكل شيء محيط.

حجة الاسلام مولانا حامد رضا خان رحمہ اللہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

اقول (میں کہتا ہوں): اور اگر ہم تمام تقریر سے قطع نظر بھی کریں تو اس پر دلیل قاطع ہونے کے لیے یہ آیت کریمہ ہی بس ہے کہ ﴿اللہ ہر شے کو محیط ہے﴾ اس لیے کہ ذات الہی محدود نہیں تو اس کی مخلوق میں کسی کو ممکن نہیں کہ اللہ عز وجل کو جیسا ہے تمام و کمال ایسا پہچان لے کہ یہ کہنا صحیح ہو جائے کہ اب اللہ تعالیٰ کی (ایسی) معرفت حاصل ہو گئی جس کے بعد اس کی معرفت سے کچھ باقی نہ رہا اس لیے ایسا ہوتا تو یہ (حاصل ہونے والا) علم اللہ عز وجل کی ذات کو محیط ہو جاتا تو اللہ عز وجل اس کے احاطہ میں آ جاتا اور وہ برتر ہے کہ اسے کوئی چیز احاطہ کر سکے (یعنی ایسا ناممکن ہے کہ کوئی اللہ عز وجل کی ذات و صفات کو کامل طور پر جان سکے) بلکہ وہ ہی ہر چیز کو محیط ہے اور اللہ عز وجل کو جاننے والے انبیاء اور اولیاء اور صالحین اور مومنین، ان میں جو باہم مراتب کا فرق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو جاننے ہی میں فرق کی بنا پر ہے (جو اللہ عز وجل کو جتنا زیادہ جانتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کا مرتبہ ہے) تو ہمیشہ ابداً الآباد تک انہیں علم پر علم بڑھتا رہے گا اور کبھی اس کے علم میں سے قادر نہ ہوں گے مگر قدرتنا ہی پر (یعنی جو انہیں علم حاصل ہوگا وہ محدود ہی ہوگا) اور ہمیشہ معرفت الہی سے غیر متناہی باقی رہے گا (یعنی جتنی انہیں جب جب معرفت خداوندی حاصل ہوگی اس کے بعد ہمیشہ ایسا ہوگا کہ معرفت الہی پھر بھی لا محدود رہے گی) تو ثابت ہوا کہ جمیع معلومات الہیہ کو پوری تفصیل کے ساتھ کسی مخلوق کا محیط ہونا (جان لینا) عقلاً اور شرعاً دونوں طرح محال ہے۔

(”الدولة المكيّة“ مترجم، ص ۷۰)۔

سوال: شرک فی العبادت کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عبادت کے لائق سمجھنا شرک فی العبادت ہے۔

سوال: عبادت کے کیا معنی ہیں؟

جواب: عبادت کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(۱) بسا اوقات عبادت ایسے کام کو کہتے ہیں جس پر مسلمان کو ثواب ملے، جیسے کہا جاتا ہے کہ والدین کا کہا ماننا عبادت ہے، مسجد میں جھاڑو دینا عبادت ہے، رزقِ حلال عین عبادت ہے۔ ان جملوں میں عبادت کے لفظ سے مراد ثواب کے کام ہیں۔

(۲) لفظ عبادت کا دوسرا معنی پرستش ہے، جسے ہندی میں پوجا اور انگلش میں (worship) کہتے ہیں، جیسے ہم کہتے ہیں: ہم اللہ عز و جل ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور بت پرست بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

سوال: عبادت کسے کہتے ہیں؟ یعنی کوئی کام کسی کی پوجا و پرستش کب کہلائے گا؟

جواب: عبادت بمعنی پوجا و پرستش کی تعریف کرتے ہوئے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی ارشاد فرماتے ہیں:

”عبادت وہ غایتِ تعظیم ہے کہ جو بندہ اپنی عبدیت اور معبود کی اُلوہیت کے اعتقاد و اعتراف کے ساتھ بجالائے“

اس تعریف کو قرآنی دلائل کے ساتھ آسان الفاظ میں مناظر اسلام علامہ سعید اسعد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے یوں بیان فرمایا ہے جسے راقم الحروف اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ

عبادت یہ ہے کہ کسی کو مستقل بالذات یعنی غیر محتاج سمجھ کر اس کے لیے کوئی ادب کا کام کیا جائے۔
جیسے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ
ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ
الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: ۳۴]

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو! تو سب نے سجدہ کیا سوائے
ابلیس کے، منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو انکے بھائیوں نے سجدہ کیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ
قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾ [یوسف: ۱۰۰]

ترجمہ: اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اُس کے لیے سجدہ میں گرے، اور یوسف نے
کہا: اے میرے باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے، بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ فرشتے جب آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کریں
تو تعظیم و ادب ہو، اور وہی کام یعنی سجدہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے کریں تو عبادت بن جائے، کام ایک
ہی ہے آخر کیا بات ہے کہ ایک سجدہ عبادت ہے اور دوسرا سجدہ ادب و تعظیم ہے؟! یوسف علی نبینا
وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے گیارہ بھائی جب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں تو عبادت بن جائے، اور

حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کریں تو ادب و تعظیم رہے! آخر اس عظیم فرق کی وجہ کیا ہے.....؟! مشہور و معروف حدیث ہے کہ حضرت جبرائیل بارگاہ رسالت میں جب صحابہ کرام کو دین سکھانے کے لیے آدمی کی شکل و صورت میں تشریف لائے تو بارگاہ رسالت میں اس طرح بیٹھے جس طرح ہم نماز میں دوزانوں بیٹھتے ہیں، وہ کون سی چیز ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بیٹھنے کو ادب و تعظیم بنادیتی ہے.....؟! اور جب ہم نماز میں التحیات میں بیٹھیں تو وہی کام عبادت بن جائے..... سیدی صدر الافاضل نے عبادت کی جو تعریف فرمائی ہے اس میں اس کا جواب ہے کہ جب مستقل بالذات سمجھ کر، الہ سمجھ کر، یعنی غیر محتاج سمجھ کر کوئی ادب کا کام کیا جائے تو وہ عبادت بن جائے گا، اور جب سامنے والے کو اللہ کا حبیب، پسندیدہ رسول اور اس کا بندہ خاص سمجھ کر کوئی ادب کا کام کیا جائے تو وہ صرف تعظیم ہے، عبادت نہیں، اس بات کو یاد رکھا جائے کہ ہر عبادت تعظیم ہے لیکن ہر تعظیم عبادت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا خود حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ [الفتح: ۹]

ترجمہ: تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

سورہ حج ایک طرف بتوں کی نجاست اور شرک سے دور رہنے کا حکم فرمایا، اور اسی کے ساتھ میں شعائر اللہ کی تعظیم کو دلوں کی پرہیزگاری قرار دیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴾

[الحج: ۳۰، ۳۱، ۳۲]

ترجمہ: تو دور رہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر اس کا شریک کسی کو نہ کرو، جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اُسے اُچک لے جاتے ہیں یا ہوا اُسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے، بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

”خزائن العرفان“ میں ہے کہ ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: شعائر اللہ سے مراد بدنہ اور ہدایا ہیں“ کہ وہ جانور جو حج میں قربانی کے لیے لائے جاتے ہیں۔

اندازہ لگائیے کہ ایک جانور کو جب اللہ تبارک و تعالیٰ سے نسبت ہو جائے تو اسکی تعظیم کرنا دلوں کی پرہیزگاری ٹھہرے، مقبولانِ بارگاہِ انبیاء و اولیاء کی تعظیم اللہ عز و جل کے نزدیک کس قدر پسندیدہ ہوگی..... قرآن عظیم کے اسلوب کو دیکھئے کہ ایک طرف شرک اور بتوں سے دور رہنے کا حکم ہے اور اسی کے ساتھ شعائر اللہ کی تعظیم کو شرک سے الگ کرتے ہوئے اس کی ترغیب دلائی جا رہی ہے، بت پرست بتوں کی تعظیم انہیں الہ سمجھ کر کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو الہ سمجھنا کھلا شرک ہے، بت کی تعظیم کریں یا اُس جگہ کی تعظیم کریں ہر طرح سے شرک ہوگا، اب ذہن میں سوال اُبھر سکتا تھا کہ کسی کو الہ سمجھ کر تعظیم کرنا تو شرک ہے اور اگر الہ نہ سمجھیں بلکہ انہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا

محبوب اور پسندیدہ بندہ سمجھ کر ان کی تعظیم کریں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء کی تعظیم بلکہ ان جگہوں کی تعظیم جن کو اللہ والوں سے نسبت ہو جائے دلوں کی پرہیزگاری قرار دے کر اسے شرک سے الگ کر دیا، شعائر اللہ کا معنی ہے: اللہ کی نشانیاں، قرآن عظیم صفا اور مروہ کو شعائر اللہ فرما رہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الصِّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ [بقرہ: ۱۵۸] یعنی بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، صفا و مروہ میں اللہ تعالیٰ کی نیک بندی کی یادیں ہیں جب وہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں اکیلے بیاباں میں رکنے کے لیے راضی ہو گئیں، پانی کی تلاش میں ان کے بے ساختہ سات پھیروں کو حاجیوں کے لیے رکن حج و عمرہ بنا دیا گیا، اس جگہ کو ایک مقبول بندی سے نسبت ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے ان دو پہاڑیوں کو اپنی نشانی قرار دیا، اسی طرح ہر وہ جگہ جسے محبوبان الہی سے نسبت ہو جائے وہ بھی شعائر اللہ میں داخل ہے اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء شعائر اللہ ہیں اور ان کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری ہے، اس آیت سے لوگوں کے اُس خود ساختہ اصول کا باطل ہونا واضح ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ ہر تعظیم شرک ہے۔

سوال: کیا ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو تعظیم کی نیت سے سجدہ کر سکتے ہیں؟

جواب: آپ کے سامنے یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے صرف اس بات کو سمجھانے کے لیے ہے کہ کوئی کام عبادت اس وقت قرار دیا جائے گا کہ جس کا ادب کیا جا رہا ہے اسے غیر محتاج یعنی خدا سمجھا جائے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو پسندیدہ بندہ سمجھ کر بالفرض سجدہ بھی کرے تو یہ شرک نہیں ہو سکتا، البتہ ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز نہیں، پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا بالاجماع حرام ہے، سجدہ تعظیمی کے حرام ہونے پر سیدی اعلیٰ حضرت نے باقاعدہ رسالہ

تصنیف فرمایا ہے، جس کا نام ”الزبدۃ الزکیۃ“ ہے بلکہ سجدہ تو سجدہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے سامنے تعظیماً جھکنا بھی ناجائز و حرام ہے۔

سوال: یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تعظیم کا کون سا طریقہ جائز ہے اور کون سا ناجائز؟

جواب: بس تعظیم کے جس طریقے سے شریعت نے منع نہیں فرمایا وہ جائز ہے، اور جس سے منع فرمایا ہے وہ ناجائز، جیسے سجدہ کرنا، بلا ضرورت قصد تعظیم کے لیے جھکنا۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ تعظیماً جھکنا بھی ناجائز ہے، تو جب کسی بزرگ کا ہاتھ چوما جاتا ہے تو اس میں تو چومنے والا جھک جاتا ہے، تو کیا کسی کا ہاتھ چومنا جائز ہے؟

جواب: اگر ہماری کوئی چیز کسی دیوار کے ساتھ رکھی ہو اور اسے ہم اٹھانا چاہیں تو کیا اس میں دیوار کے آگے جھکنا نہ پایا گیا؟ اس میں آپ کی نیت دیوار کے آگے جھکنے کی ہے یا اٹھانے کی؟ اسی طرح جب کوئی کسی کا ہاتھ چومتا ہے تو اسکی نیت اس شخص کے آگے جھکنا ہرگز نہیں ہوتی، جھکنا تو ضرورتاً پایا جاتا ہے؛ اس لیے کہ جھکے بغیر کسی کا ہاتھ نہیں چوما جاسکتا، پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ چومنے کے لیے جھکنا تو احادیث سے ثابت ہے، ابو داؤد نے زارع سے روایت کیا کہ جب قبیلہ عبد القیس کا وفد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، تو یہ بھی اس وفد میں تھے، یہ کہتے ہیں: جب ہم مدینہ میں پہنچے تو اپنی منزلوں سے جلدی جلدی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور کے دست مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دینے لگے۔

(”سنن أبي داود“، کتاب الأدب، باب قبلۃ الرجل، رقم الحدیث: ۵۲۲۵، ص ۱۶۰۴/۱۶۰۵)

”ابن ماجہ“ کی حدیث ہے کہ ماں عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے انتقال کے بعد انکے چہرے کو اس طرح چوما کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنسو ان کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

(”سنن ابن ماجہ“، أبواب ما جاء في الجنائز، باب ما جاء في تقبيل الميت، رقم الحديث: ۱۴۵۶، ص ۲۵۶۴)
اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق سے ثابت ہے کہ وصالِ ظاہری کے بعد سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر ہانے تشریف لائے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیا۔

(”صحیح البخاری“، کتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، رقم الحديث: ۱۲۴۱، ص ۹۷)

کیا ہمارے پیارے آقا مدنی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حجرِ اسود کو نہیں چوما...؟!
چومنے کے لیے جھکنا اور عبادت کے لیے جھکنے کے فرق کو واضح کرتے ہوئے علامہ ہاشمی میاں اشرفی مدظلہ العالی نے ایک موقع پر اپنی تقریر میں نہایت عمدہ نکتہ بیان فرمایا آپ فرماتے ہیں کہ جو پتھر پوجے جاتے تھے وہ خانہء کعبہ سے نکال دیے گئے اور جو صرف چومے جاتے تھے وہ ابھی تک رکھے ہوئے ہیں۔

ان کے علاوہ کثیر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چومنے کے لیے جھکنا جائز ہے۔

سوال: کیا کسی قبر کو چومنا جائز ہے؟

جواب: جائز ہے، میزبانِ رسول، صحابی جلیل حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے، اس سے بڑھ کر عمل ثابت ہے، چنانچہ امام احمد و حاکم، داؤد بن صالح سے روایت کرتے

ہیں کہ: ایک دن مروان نے ایک شخص کو دیکھا کہ قبر پر پیشانی رکھے ہوئے ہے، اس پر مروان نے اس شخص سے کہا کہ: کیا تجھے معلوم ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ اس شخص نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو مروان چونک پڑا؛ کہ وہ کوئی عام شخص نہیں، بلکہ جلیل القدر صحابی ابویوب انصاری تھے، آپ نے اس سے فرمایا: ”نَعَمْ، جِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ“ ہاں! مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں، پتھر کے پاس نہیں آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جب دین کے اہل، دین کے والی بنیں تو دین پر مت رونا، لیکن اس وقت دین پر رونا جب نا اہل دین کے والی بنیں۔

(”المسند“ للإمام أحمد بن حنبل، حدیث أبي أيوب الأنصاري، رقم الحديث: (۲۳۶۴۶)، ج-۹، ص-۱۴۸/۱۴۹ [مطبوعه دار الفكر بيروت] والمستدرک للإمام الحاكم، برقم (۸۷۴۹)، کتاب الفتن والملاحم، ج-۵، ص-۴۱۸ (دار الفكر بيروت)، وافقه الذہبی فی التلخیص بقوله: صحیح۔

جب دیر تک سر رکھ کر رونا جائز ہو تو چوم کر سر اٹھا لینا کیسے ناجائز ہو سکتا ہے..... البتہ علماء فرماتے ہیں کہ لوگوں کو بدگمانی نہ ہو اس لیے قبر کو ناچومنا بہتر ہے۔

سوال: کیا نذر و نیاز کرنا شرک ہے؟

جواب: نذر کے لغوی معنی ہیں کہ کسی کو کوئی چیز تعظیماً پیش کرنا جیسے تحفہ پیش کرتے وقت کہا جاتا ہے کہ یہ حقیر چیز آپ جناب کی نذر کرتا ہوں، اور یہ آپ جان چکے ہیں کہ تعظیم کا کوئی طریقہ اس وقت تک عبادت نہیں بنے گا جب تک تعظیم کرنے والا جس کی تعظیم کر رہا ہے اسے خدا یعنی غیر محتاج نہ سمجھے، ہم اہل سنت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی کو الہ یعنی غیر محتاج نہیں سمجھتے، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ

ہمارے پیارے آقا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور تمام رسل و انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتوں کے محتاج ہیں، مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بزرگان دین کے ایصالِ ثواب کے جانور پال کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہی نام لے کر ذبح کرتے ہیں یا ویسے ہی کوئی شیرینی پکا کر تقسیم کرتے ہیں اسے نذر و نیاز کا نام دیتے ہیں، اس سے انکی مراد نذر شرعی ہو ہی نہیں سکتی نذر شرعی تو کسی کو لالہ سمجھ کر نذرانہ پیش کرنے کو کہتے ہیں، پھر مسلمانوں کا کھانا پکا کر مسجد کے امام صاحب وغیرہ کو یہ کہنا کہ فلاں کے نام فاتحہ دے دیجئے اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا نظریہ یہی ہے کہ اس عمل پر جو ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا اسے میں فلاں بزرگ کو پہنچا کر ان کی دعائیں حاصل کروں، اور عام مسلمانوں کا کہنا کہ یہ غوث پاک کے لیے ہے اس سے انکی مراد یہی ہے کہ صدقہ و خیرات اللہ کی رضا کے لیے اور ایصالِ ثواب غوث پاک کے لیے، ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں ہے جس سے ہم دل کو چیر کر اس کی نیت معلوم کر لیں سوائے اس کے مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔

سوال: کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہے؟

جواب: اللہ کے سوا کسی کو لالہ سمجھ کر پکارنا شرک ہے، اسی طرح کسی کے لیے بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرح ذاتی، لامحدود صفات کا اعتقاد رکھ کر پکارنا ضرور شرک ہے یعنی پکارنے والا جسے پکار رہا ہے اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے سننے اور مدد کرنے کی ذاتی، لامحدود طاقت حاصل ہے اور وہ سننے اور نفع پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کے اذن کا محتاج نہیں (معاذ اللہ) اس عقیدے کے ساتھ پکارنا

ضرور شرک ہے چاہے جسے پکار رہا ہے وہ زندہ ہو یا قبر میں ہو، قریب ہو یا چاہے دور ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کا محبوب نبی یا ولی سمجھ کر پکار رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا و اذن سے اس کے لیے سننے اور نفع پہنچانے کی طاقت مانتا ہے وہ مزار میں ہو یا پکارنے والے سے دور ہو شرک نہیں۔

ہم سب جانتے ہیں ایک عام مسلمان بھی اس بات کو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی میں اللہ تعالیٰ کی طرح صفات ہو سکتی ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی عطا اور اذن سے انبیاء و اولیاء کے لیے اختیارات و تصرفات کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا اور اذن کے بغیر نہیں۔

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب پریشانی آئے تو مجھے وسیلے بنا کر پکارا کرو؟

جواب: جی ہاں، ثبوت کے لیے صحیح حدیث بمع عربی متن و ترجمہ ملاحظہ کریں:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اذْعُ اللَّهُ أَنْ يُعَافِيَنِي، قَالَ: ((إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ وَإِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ ذَاكَ فَهُوَ خَيْرٌ))، فَقَالَ: ادْعُهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضْوءَهُ فَيُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ فَتَقْضِي لِي اللَّهُمَّ شَفْعُهُ فِيَّ.

(۱) "مسند الإمام أحمد بن حنبل"، مسند الشاميين، باب حديث عثمان بن حنيف، ۶/ ۱۰۷، برقم: ۱۷۲۴۱،

واللفظ له (۲) "سنن الترمذي"، كتاب الدعوات، باب في دعاء الضيف، ۵/ ۳۳۶، برقم: ۹۳۵۷، (۳) "سنن ابن

ماجة"، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الحاجة، ۲/ ۷۱۵، برقم: ۱۳۸۵، (۴) "السنن الكبرى" للنسائي،

کتاب عمل اليوم والليلة، باب ذکر حدیث عثمان بن حنیف، ۱۶۹/۶، برقم: ۱۰۴۹۶/۳، (۵) "المستدرک"
 للحاکم، کتاب صلاة التطوع، باب دعاء رد البصر، ۶۲۱/۱، برقم: ۱۲۲۱، (۶) "دلائل النبوة" للبيهقي، باب
 ما في تعليمه الضرير ما كان فيه شفائه، ۱۶۸/۶ (۷) "صحيح ابن خزيمة"، کتاب جماع أبواب التطوع، باب
 صلاة الترغيب والترهيب، ۲۲۵/۲، برقم: ۱۲۱۹، (۸) "المعجم الكبير" للطبراني، من اسمه عثمان، ۷۶۵ -
 عثمان بن حنیف الأنصاري من إخباره، ۳۰/۹، برقم ۸۳۱۱.

ترجمہ حدیث: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ میری آنکھوں کو
 ٹھیک کر دے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے (ابھی) دعا کروں اور اگر چاہو تو اسے
 مؤخر کروں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، اس شخص نے کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے، حضرت عثمان کہتے
 ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے، دو رکعت نماز پڑھے اور یہ
 دعا مانگے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، نبی رحمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کے
 وسیلہ) سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی اس حاجت کے پورا
 ہونے کے لیے اپنے رب کی طرف آپ کے وسیلے سے متوجہ ہوا ہوں، اے اللہ حضور کی شفاعت کو
 میرے حق میں قبول فرما۔

امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے، امام طبرانی
 کہتے ہیں: الحدیث صحیح یعنی یہ حدیث صحیح ہے، امام بیہقی "دلائل النبوة" میں کہتے ہیں: اس
 حدیث کو ہم نے کتاب الدعوات میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، امام ترمذی کہتے ہیں: یہ

حدیث حسن صحیح غریب ہے، امام ابن ماجہ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، قاضی شوکانی حصین کی شرح میں کہتے ہیں: امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا: یہ حدیث صحیح ہے، امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے آٹھ حوالے پیش کیے گئے، اور اس حدیث کی سند کے بارے میں جو ائمہ حدیث نے حکم بیان کیا ہے اُسے آپ دیکھ چکے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا تمام اماموں کے نزدیک صحیح ہے، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے وسیلے سے نہ صرف دعا کرنے کا ثبوت ہے بلکہ اس بات کا بھی واضح ثبوت موجود ہے کہ پریشانی اور حاجت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر نداء کی جائے، اس حدیث کو پڑھ کر ان لوگوں کو اپنی غلطی تسلیم کر کے توبہ بھی کر لینی چاہیے جو ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ سمجھ کر پکارنے کو شرک کہتے ہیں، اللہ ہدایت نصیب کرے۔

سوال: کیا کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہری حیات مبارکہ میں دور سے ندا کی ہے؟

جواب: امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ

فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ
كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ)).

”صحيح البخاري“، كتاب الآذان، باب التشهد في الآخرة، برقم: (۷۸۸).

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تو (قعدہ میں) کہتے کہ حضرت جبریل پر سلام ہو، حضرت
میکائیل پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو، نماز سے فراغت کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا: بے شک اللہ ہی سلام ہے، جب تم میں سے کوئی
نماز پڑھے تو اس طرح کہے: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ جب تم اس طرح کہہ لو گے
تو تمہارا سلام زمین و آسمان میں موجود اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا۔ (پھر فرمایا مزید اس
طرح کہو): أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

اس حدیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس اپنی جناب
میں سلام کے لیے نداء کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے، ہر صحابی بلکہ آج تک ہر مسلمان اپنی نماز
میں جب التحیات پڑھتا ہے وہ اپنی قوی و فعلی عبادتیں صرف اللہ کے لیے تسلیم کرنے کے بعد نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرنے کے لیے نداء کرتے ہوئے کہتا ہے: السلام علیک ایہا النبیؐ
یعنی اے نبی آپ پر سلام ہو، التحیات کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نداء کرنے کی قوی
دلیل ہیں کہ عین نماز میں چاہے ہم دنیا میں جہاں کہیں ہوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام
کے لیے نداء کرتے ہیں، اسی طرح دنیا میں جہاں کہیں ہوں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول
اللہ پڑھ سکتے ہیں کہ دونوں میں ایک ہی لفظ علیک ہے، بخاری شریف کی اس حدیث سے ان
لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو یہ کہتے ہیں:

”التحيات میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ کے نیک بندوں کو سلام کی نیت نہیں
کریں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو السلام علیک
ایہا النبیؐ فرمایا تھا اس لیے صرف سلام کے الفاظ بطور حکایت زبان سے دہرائیں گے۔“

ان کا یہ کہنا سراسر غلط ہے، بخاری شریف کی مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام
مقرب فرشتوں کا نام لے کر انہیں سلام پہنچانے کے لیے سلام کرتے تھے، محض واقعہ معراج کے الفاظ
کو دہرانا ان کا مقصود نہ تھا اور نہ ہی کسی حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ التحیات میں واقعہ معراج کی
حکایت کی نیت کیا کرو، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یہ نہیں فرمایا کہ جبرائیل و میکائیل کو
سلام نہ کیا کرو بلکہ انہیں الگ الگ نام لینے کی زحمت سے بچا کر جامع کلمات ”السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى
عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ“ سکھا دیئے اور انہیں فرما دیا: ”جب تم اس طرح کہہ لو گے تو تمہارا سلام زمین
و آسمان میں موجود اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا“ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ہم

التحيات میں سلام پہنچانے کی نیت سے سلام کریں گے اور ہمارا یہ سلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچا دے گا۔

سوال: کیا کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے وصال فرمانے کے بعد یا نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے؟

جواب: جی ہاں ”بخاری شریف“ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:
أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكِنِهِ بِالسُّنْحِ حَتَّى نَزَلَ فَدَخَلَ
الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَتَيَمَّمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسَجًى بِرِدِّ حَبْرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ
بَابِي أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.

”صحيح البخاري“، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، رقم الحديث:

(۱۱۲۵).

ترجمہ حدیث: (جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سنی) تو آپ اپنے گھر سے جو ”سُنْح“ نامی محلے میں تھا گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے یہاں تک کہ آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور لوگوں سے بات چیت نہیں کی اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ حبرہ چادر میں ڈھکا ہوا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے سے چادر کو ہٹایا اور اپنے آپ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم پر گرا دیا، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چوما اور روتے ہوئے فرمایا: یا نبی اللہ میرے والد آپ پر فدا ہوں، اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا (بلکہ آپ کو بھی آن واحد کے لیے ایک ہی موت آنی تھی) اور جو اللہ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ وعدہ پورا ہو چکا۔

”بخاری شریف“ کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد وصال یا نبی اللہ کہہ کر نداء کی۔

سوال: کیا کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے روضہ اقدس پر آ کر یا رسول اللہ کہہ کر پکارا ہے؟

جواب: جی ہاں امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنِ قَتَادَةَ، وَأَبُو بَكْرِ الْفَارِسِيُّ قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبُو عَمْرِو بْنُ مَطَرٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَلِيٍّ الدُّهْلِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ؛ فَجَاءَ رَجُلٌ [وَهُوَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ أَحَدُ مِنَ الصَّحَابَةِ] كَمَا قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي الْفَتْحِ ٢/ ٥٦٨] إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اسْتَسْقِ اللَّهَ لِأُمَّتِكَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا؛ فَاتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ؛ فَقَالَ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسَقَّوْنَ، وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكِيسَ الْكِيسَ، فَأَتَى الرَّجُلُ عُمَرَ، فَأَخْبَرَهُ، فَبَكَى عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا أَلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ.

”مصنف ابن أبي شيبة“، ج-۷، ص-۴۸۲ [مكتبة الرشد الرياض] ”دلائل النبوة“ للبيهقي، جماع أبواب من رأى في منامه شيئاً، باب ما جاء في رؤية النبي ﷺ في المنام، ج-۷، ص-۴۷ [دار الكتب العلمية بيروت].

ترجمہ حدیث: مالک الدار راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں قحط پڑا، ایک شخص (بلال بن حارث صحابی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر یوں عرض کی: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اسْتَسْقِ اللَّهَ لِأُمَّتِكَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا یعنی یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس شخص سے فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور بشارت دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہہ دو کہ نرمی اختیار کرے اس شخص نے حاضر ہو کر خبر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر روئے، پھر کہا: اے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ جس سے میں عاجز ہوں۔

(ترجمہ ماخوذ از سیرت رسول عربی، مصنفہ علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”فتح الباری“، ج-۲، ص-۵۶۸ [طبعة دار الحديث قاهرہ] میں اور حافظ ابن کثیر نے ”البدایة والنهاية“، ج-۷، ص-۱۱۱ [طبعة دار المعارف بیروت] میں اس حدیث کو روایت کر کے سنداً صحیح قرار دیا ہے، ان دونوں حفاظ حدیث کی تصحیح کے بعد کسی تردّد اور کسی کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اگر کوئی کوئی یہ کہے کہ اس حدیث میں صحابی کا نام تو ذکر نہیں کیا گیا ہے، حدیث میں صرف کسی شخص کا ذکر ہے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحابی تھے اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں اسی حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے جو سیف سے ”فتوح“ میں مروی ہے کہ مذکورہ شخص صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تھے جیسا کہ اس کا حوالہ اوپر گزر چکا، اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بلال بن حارث نہ تھے پھر بھی ہمیں ضرر نہیں؛ کیونکہ ہماری دلیل کا دار و مدار اس پر نہیں کہ یہ صحابی تھے یا نہیں، اور ان کا مزار اقدس پر آنا اور نداء کرنا اور انہیں خواب میں بشارت ملنا ہماری دلیل کی بنیاد نہیں ہے، اصل دلیل تو یہ ہے کہ حضرت عمر اور دیگر تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے حضرت بلال بن حارث کے عمل پر انکار نہ کیا اور اسے برقرار رکھا، اگر بعد وصال نداء کرنا، پریشانی کے حل کے لیے مزار اقدس پر درخواست دعا کر کے مدد چاہنا اگر شرک ہوتا تو حضرت عمر اور دیگر تمام صحابہ کیا خاموش رہتے؟! فوراً کہہ اُٹھتے کہ تم شرک کر کے مرتد ہو گئے ابھی تو بہ کرو ورنہ جو سزا مرتد کو دی جاتی ہے وہی سزائے قتل تمہیں دی جائے گی، اسی طرح اگر یہ عمل شرک یا ناجائز ہوتا تو امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی کیا اسے اپنی حدیث کی کتابوں میں لکھتے اور حیرت ہے کہ ابن حجر اور ابن کثیر جیسے حافظ الحدیث اور سند کو پرکھنے کے امام بھی اس حدیث کو صحیح قرار دے چکے، پھر بھی نداء یا رسول اللہ کو شرک کہنا کتنا عجیب ہے!؟

تلخیص از ”التأمل في حقيقة التوسل“ للشيخ عيسى الحميري

سوال: کیا کوئی بیابان میں اکیلا ہو، پریشانی کے عالم میں کسی کو مدد کے لیے پکار سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں، تمام انسانیت کو تو حید سکھانے والے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بارے میں جو تعلیم دی ہے اسے ملاحظہ فرمائیں:

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى الصُّوفِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أُنَيْسٌ، فَلْيَقُلْ: "يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ))، وَقَدْ جَرَّبَ ذَلِكَ.

”المعجم الكبير“ للطبراني، ج ۱۲، ص ۴۴، رقم الحديث: ۱۳۷۳۷.

ترجمہ حدیث: حضرت عتبہ بن غزوآن روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راستہ بھول جائے اور اُسے مدد درکار ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی مونس و ہمد نہ ہو تو اُسے چاہیے کہ اس طرح کہے: ”يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي“ یعنی اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو، اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو، بے شک کچھ اللہ کے بندے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے، یہ دعا مجرب ہے۔

امام طبرانی اور امام ابویعلیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَائِلَةَ الْأَصْبَهَانِيُّ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ بْنِ شَقِيقٍ، حَدَّثَنَا مَعْرُوفُ بْنُ حَسَّانَ السَّمَرْقُنْدِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ لِلَّهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ)).

رواہ أبو یعلیٰ فی مسنده: ۱۷۷/۹، رقم: ۵۲۶۹، والطبرانی فی المعجم الكبير: ۲۱۷/۱۰، رقم: ۱۰۵۱۸۔
 وقال الهیثمی فی مجمع الزوائد ۱۳۲/۱۰: رواه أبو یعلیٰ والطبرانی وزاد - "سیحبسه علیکم" وفیه معروف بن
 حسان وهو ضعیف۔ وله شواهد عن عتبة بن غزوان رضي الله عنه عن نبي الله صلى الله عليه وسلم قال: ((إِذَا
 ضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أُنَيْسٌ، فَلْيَقُلْ: "يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللَّهِ
 أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ)) وقد جَرَّبَ ذلك۔ رواه الطبرانی فی الكبير ۱۱۷/۱۷، رقم ۲۹۰ وقال الحافظ
 الهیثمی (۱۳۲/۱۰): ورجاله وثقوا علی ضعف فی بعضهم إلا یزید بن علی لم یدرك عتبة۔ بهذا الشاهد یرتقی
 الحديث إلی الحسن لغیره۔ [والتخريج من الشيخ عيسى بن عبد الله بن مانع الحميري من تالیفه "التأمل فی
 حقيقة التوسل" کتاب رائع فی هذا الموضوع، أورد فیہ أدلة من القرآن والسنة مع تخاريج الأحاديث وتحقیقها
 من المصادر الأصلية والمطابع، له فیہ ردود جمیلة، محققة علی المانعین الضالین، من یرید التفصیل فلیراجع
 إلیه، جزاه الله خیرا عن الإسلام والمسلمین]۔

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم نے فرمایا: جب جنگل بیابان میں جانور چھوٹ جائے تو اس طرح نداء کرے: اے اللہ کے بندو!
 روک دو، اے اللہ کے بندو! روک دو، زمین میں کچھ بندے (اس کام کے لیے) حاضر رہتے ہیں، وہ
 اس جانور کو روک دیں گے۔

امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اور امام بزار اسی حدیث کو ایک اور سند سے
 روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ أَنَّ رَسُولَ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا نَفَرَتْ دَابَّةٌ أَحَدِكُمْ أَوْ بَعِيرُهُ بِفُلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا يَرَى

بِهَا أَحَدًا فَلْيَقُلْ: أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ، فَإِنَّهُ سَيُعَانُ)).

”مصنف ابن أبي شيبة“، (ج ۷، ص ۱۳۲) ما يقول الرجل إذا ندت به دابته أو بعيره في سفر.

ان تین احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ اللہ عز و جل کے نیک و صالح بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کرنے پر مقرر سمجھ کر مدد مانگنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی تعلیم ہمیں ہمارے نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے، ان تین احادیث کو نقل کر کے امام اہل سنت فرماتے ہیں:

یہ حدیثیں کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمائیں قدیم (زمانہ) سے علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقبول و معمول و مجرب ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا کسی کو اللہ کی رحمتوں کا محتاج سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے مددگار سمجھ کر مدد مانگنا شرک یا ناجائز ہوتا تو کیا اس حدیث کو صحابہ روایت کرتے اور امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابوبکر ابن ابی شیبہ، اور امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام بزار رحمہم اللہ ان احادیث کو روایت کرتے؟! معلوم ہوا کہ جو آج ہم مسلمانوں میں یہ رجحان دیکھتے ہیں کہ وہ مشکلات میں مزارات پر حاضر ہوتے ہیں، اللہ کے اولیاء کو باذن الہی مددگار مانتے ہیں یہ انہیں کسی اور نے نہیں سکھایا بلکہ یہ سب صحابہ و تابعین اور محدثین امت کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

سوال: پریشانی کے حل کے لیے کیا کسی صحابی نے یہ سکھایا ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ شریف پر حاضر ہوں؟

جواب: جی ہاں، امام دارمی رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ النُّكْرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوَزَاءِ أَوْسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا، فَشَكُّوا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ: انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَاجْعَلُوا مِنْهُ كَوَى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ. قَالَ: فَفَعَلُوا فَمُطِرْنَا مَطَرًا، حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ، حَتَّى تَفْتَقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسَمِيَ عَامَ الْفَتْقِ.

”سنن الدارمی“، باب ما أكرم الله تعالى نبيه ﷺ بعد موته، ج ۱، ص ۵۶ [قدیمی کتب خانہ کراچی]

ترجمہ حدیث: ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فریاد کی: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اس میں ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو تا کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے، انہوں نے ایسا ہی کیا خوب بارش ہوئی اور گھاس اُگی وراونٹ ایسے فر بہ ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے، اس سال کو عام الفتح کہتے تھے۔

(ترجمہ از سیرت رسول عربی علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ)۔

سوال: کیا کوئی صحابی رسول اپنا غم ہلکا کرنے کے لیے روضہ شریف پر حاضر ہوئے ہیں؟

جواب: امام احمد بن حنبل اور امام حاکم اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي صَالِحٍ قَالَ: أَقْبَلَ مَرْوَانُ يَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلًا وَاضِعًا وَجْهَهُ عَلَى الْقَبْرِ، فَقَالَ: أَتَدْرِي مَا تَصْنَعُ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ فَإِذَا هُوَ أَبُو أَيُّوبَ، فَقَالَ: نَعَمْ، جِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((لَا تَبْكُوا عَلَى الدِّينِ إِذَا وَلِيَهُ أَهْلُهُ وَلَكِنْ ابْكُوا عَلَيْهِ إِذَا وَلِيَهُ غَيْرُ أَهْلِهِ)).

”المسند“ للإمام أحمد بن حنبل، حديث أبي أيوب الأنصاري، رقم الحديث: (٢٣٦٤٦)، ج ٩، ص ١٤٨/١٤٩ [مطبوعة دار الفكر بيروت] والمستدرک للإمام الحاکم، برقم (٨٧٤٩)، کتاب الفتن والملاحم، ج ٥، ص ٤١٨، (دار الفكر بيروت)، وافقه الذهبی فی التلخیص بقوله: صحيح.

امام احمد و حاکم، داؤد بن صالح سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن مروان نے ایک شخص کو دیکھا کہ قبر پر پیشانی رکھے ہوئے ہے، اس پر مروان نے اس شخص سے کہا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ اس شخص نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو مروان چونک پڑا؛ کہ وہ کوئی عام شخص نہیں بلکہ جلیل القدر صحابی ابو ایوب انصاری تھے، آپ نے اس سے فرمایا کہ ہاں! مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں، پتھر کے پاس نہیں آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جب دین کے اہل، دین کے والی بنیں تو دین پر مت رونا، لیکن اس وقت اس پر رونا جب غیر اہل، دین کے والی بنیں۔

(ترجمہ از سیرت رسول عربی)

سوال: کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہے؟

جواب: اللہ کے سوا کسی کو الہ سمجھ کر پکارنا ضرور شرک ہے، اسی طرح کسی کے لیے بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرح ذاتی، لامحدود صفات کا اعتقاد رکھ کر پکارنا ضرور شرک ہے، چاہے جسے پکار رہا ہے وہ زندہ ہو یا قبر میں ہو، قریب ہو یا چاہے دور ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کا محبوب نبی یا ولی سمجھ کر پکار رہا ہے،

چاہے وہ مزار میں ہو یا پکارنے والے سے دور ہو شرک نہیں۔

ہم سب جانتے ہیں ایک عام مسلمان بھی اس بات کو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رالہ نہیں اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی میں اللہ تعالیٰ کی طرح صفات ہو سکتی ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی عطا اور اذن سے انبیاء و اولیاء کے لیے اختیارات و تصرفات کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا اور اذن کے بغیر نہیں۔

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب پریشانی آئے تو مجھے وسیلے بنا کر پکارا کرو؟

جی ہاں، اس کے ثبوت کے لیے درج ذیل صحیح حدیث ہی کافی ہے بمع عربی متن و ترجمہ ملاحظہ کریں:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ادْعُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَنِي، قَالَ: ((إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ وَإِنْ شِئْتَ أَخَرْتُ ذَاكَ فَهُوَ خَيْرٌ))، فَقَالَ: ادْعُهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ فَتَقْضِي لِي اللَّهُمَّ شَفْعَهُ فِيَّ.

(۱) ”مسند الإمام أحمد بن حنبل“، مسند الشاميين، باب حديث عثمان بن حنيف، ۱۰۷/۶، برقم:

(۱۷۲۴۱)، واللفظ له (۲) ”سنن الترمذي“، كتاب الدعوات، باب في دعاء الضيف، ۳۳۶/۵، برقم:

(۹۳۵۷)، (۳) ”سنن ابن ماجه“، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الحاجة، ۷۱۵/۲، برقم: (۱۳۸۵)،

(۴) ”السنن الكبرى“ للنسائي، كتاب عمل اليوم والليلة، باب ذكر حديث عثمان بن حنيف، ۶/۱۶۹، برقم:

(۳/۱۰۴۹۶)، (۵) ”المستدرک“ للحاکم، کتاب صلاة التطوع، باب دعاء رد البصر، ۱/۶۲۱، برقم: (۱۲۲۱)، (۶) ”دلائل النبوة“ للبيهقي، باب ما في تعليمه الضرير ما كان فيه شفائه، ۶/۱۶۸ (۷) ”صحيح ابن خزيمة“، کتاب جماع أبواب التطوع، باب صلاة الترغيب والترهيب، ۲/۲۲۵، برقم: (۱۲۱۹)، (۸) ”المعجم الكبير“ للطبراني، من اسمه عثمان، ۷۶۵ - عثمان بن حنيف الأنصاري من إخباره، ۹/۳۰، برقم (۸۳۱۱).

ترجمہ حدیث: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ میری آنکھوں کو ٹھیک کر دے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے (ابھی) دعا کروں اور اگر چاہو تو اسے مؤخر کروں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، اس شخص نے کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے، حضرت عثمان کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے، دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا مانگے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، نبی رحمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ) سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے کے لیے آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں، اے اللہ حضور کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما۔

امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے، امام طبرانی کہتے ہیں: الحدیث صحیح یعنی یہ حدیث صحیح ہے، امام بیہقی ”دلائل النبوة“ میں کہتے ہیں: اس حدیث کو ہم نے کتاب الدعوات میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، امام ابن ماجہ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، قاضی شوکانی حصین کی

شرح میں کہتے ہیں: امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا: یہ حدیث صحیح ہے، امام ابن خزمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے آٹھ حوالے پیش کیے گئے، اور اس حدیث کی سند کے بارے میں جو ائمہ حدیث نے حکم بیان کیا ہے اُسے آپ دیکھ چکے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا تمام ائمہ کے نزدیک صحیح ہے، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے وسیلے سے نہ صرف دعا کرنے کا ثبوت ہے بلکہ اس بات کا بھی واضح ثبوت موجود ہے کہ پریشانی اور حاجت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر نداء کی جائے، اس حدیث کو پڑھ کر ان لوگوں کو اپنی غلطی تسلیم کر کے توبہ بھی کر لینی چاہیے جو ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ سمجھ کر پکارنے کو شرک کہتے ہیں، اللہ ہدایت نصیب کرے۔

سوال: کیا کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہری حیات مبارکہ میں دور سے ندا کی ہے؟

جواب: امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)).

”صحيح البخاري“، كتاب الآذان، باب التشهد في الآخرة، برقم: (۷۸۸).

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تو (قعدہ میں) کہتے کہ حضرت جبریل پر سلام ہو، حضرت میکائیل پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو، نماز سے فراغت کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا: بے شک اللہ ہی سلام ہے جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اس طرح کہے: التحیات لله والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين جب تم اس طرح کہہ لو گے تو تمہارا سلام زمین و آسمان میں موجود اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا۔ (پھر فرمایا مزید اس طرح کہو) أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

اس حدیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس اپنی جناب میں سلام کے لیے نداء کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے، ہر صحابی بلکہ آج تک ہر مسلمان اپنی نماز میں جب التحیات پڑھتا ہے وہ اپنی قوی و فعلی عبادتیں صرف اللہ کے لیے تسلیم کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرنے کے لیے نداء کرتے ہوئے کہتا ہے: السلام عليك أيها النبي

یعنی اے نبی آپ پر سلام ہو، اگر التحیات میں اللہ کے کسی بندے کو سلام کرنا شرک یا کم از کم حرام ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو منع فرما دیتے کہ نماز میں کسی کو سلام مت کرو، بجائے منع فرمانے کے انہیں الگ الگ نام لے کر سلام کرنے کی زحمت سے بچانے کے لیے سلام کے جامع الفاظ سکھا دیئے، التحیات کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نداء کرنے کی قوی دلیل ہیں کہ عین نماز میں چاہے ہم دنیا میں جہاں کہیں ہوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کے لیے نداء کر سکتے ہیں، اسی طرح دنیا میں جہاں کہیں ہوں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھ سکتے ہیں کہ دونوں میں ایک ہی لفظ علیک ہے، ان لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو اپنی طرف سے یہ کہتے ہیں کہ التحیات کو واقعہء معراج کی حکایت کے طور پر پڑھیں گے اور سلام کی نیت نہیں کریں گے ایسا کسی حدیث میں نہیں آیا، یہ باتیں لوگوں نے اپنی طرف سے بنائی ہیں، اور التحیات میں محض سلام کے ان کلمات کو سلام کی نیت کے بغیر دہرانا نہیں ہے بلکہ سلام کی نیت کرنی ہے جیسا کہ بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہے اور تمام فقہاء نے تعلیم دی ہے۔

سوال: کیا کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے وصال فرمانے کے بعد یا نبی اللہ کہ کر پکارا ہے؟

جواب: جی ہاں، بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:
 أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكِنِهِ بِالسُّنْحِ حَتَّى نَزَلَ فَدَخَلَ
 الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَتَيَمَّمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسَجًى بِرِدِّ حَبْرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ
بَابِي أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا

”صحيح البخاري“، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، رقم الحديث:

(۱۱۲۵).

ترجمہ حدیث: (جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سنی) تو آپ اپنے گھر سے جو ”سُخ“ نامی محلے میں تھا گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے یہاں تک کہ آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور لوگوں سے بات چیت نہیں کی اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ حبرہ چادر میں ڈھکا ہوا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے سے چادر کو ہٹایا اور اپنے آپ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گرا دیا، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چوما اور روتے ہوئے فرمایا: یا نبی اللہ میرے والد آپ پر فدا ہوں، اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا (بلکہ آپ کو بھی آن واحد کے لیے ایک ہی موت آنی تھی) اور جو اللہ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ وعدہ پورا ہو چکا۔

بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد وصال یا نبی اللہ کہہ کر نداء کی۔

سوال: کیا کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے روضہ اقدس پر آ کر یا رسول اللہ کہہ کر پکارا ہے؟

جواب: جی ہاں امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنِ قَتَادَةَ، وَأَبُو بَكْرِ الْفَارِسِيُّ قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبُو عَمْرِو بْنُ مَطَرٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَلِيٍّ الذَّهَلِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ؛ فَجَاءَ رَجُلٌ (وَهُوَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ أَحَدُ مِنَ الصَّحَابَةِ) كَمَا قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي الْفَتْحِ ٢/ ٥٦٨) إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اسْتَسْقِ اللَّهَ لِأُمَّتِكَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا؛ فَاتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ؛ فَقَالَ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْقَوُونَ، وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكِيسَ الْكِيسَ، فَاتَى الرَّجُلُ عُمَرَ، فَأَخْبَرَهُ، فَبَكَى عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا أَلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ.

”مصنف ابن أبي شيبة“، ج ٧، ص ٤٨٢ [مكتبة الرشد الرياض] ”دلائل النبوة“ للبيهقي، جماع أبواب من رأى في منامه شيئاً، باب ما جاء في رؤية النبي ﷺ في المنام، ج ٧، ص ٤٧ [دار الكتب العلمية بيروت].

ترجمہ حدیث: مالک الدار راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں قحط پڑا، ایک شخص (بلال بن حارث صحابی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر یوں عرض کی: یا رسول اللہ، اسْتَسْقِ اللَّهَ لِأُمَّتِكَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا یعنی یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس شخص سے فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور بشارت دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہہ دو کہ نرمی اختیار کرے اس

شخص نے حاضر ہو کر خبر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر روئے، پھر کہا: اے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ جس سے میں عاجز ہوں۔

(ترجمہ ماخوذ از سیرت رسول عربی، مصنفہ علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”فتح الباری“، ج ۲، ص ۵۶۸ [طبعة دار الحديث قاهرہ] میں اور حافظ ابن کثیر نے ”البدایة والنهاية“، ج ۷، ص ۱۱۱ [طبعة دار المعارف بیروت] میں اس حدیث کو روایت کر کے سنداً صحیح قرار دیا ہے، ان دونوں حفاظ حدیث کی تصحیح کے بعد کسی تردّد اور کسی کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اگر کوئی کوئی یہ کہے کہ اس حدیث میں صحابی کا نام تو ذکر نہیں کیا گیا ہے، حدیث میں صرف کسی شخص کا ذکر ہے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحابی تھے؟ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسی حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے جو سیف سے ”فتوح“ میں مروی ہے کہ مذکورہ شخص صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے جیسا کہ اس کا حوالہ اوپر گذر چکا، اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بلال بن حارث نہ تھے پھر بھی ہمیں ضرر نہیں؛ کیونکہ ہماری دلیل کا دار و مدار اس پر نہیں کہ یہ صحابی تھے یا نہیں، اور ان کا مزار اقدس پر آنا اور نداء کرنا اور انہیں خواب میں بشارت ملنا ہماری دلیل کی بنیاد نہیں ہے، اصل بات تو یہ ہے کہ حضرت عمر اور دیگر تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے حضرت بلال بن حارث کے عمل پر انکار نہ کیا اور اسے برقرار رکھا، اگر بعد وصال نداء کرنا، پریشانی کے حل کے لیے مزار اقدس پر درخواست دعا کر کے مدد چاہنا اگر شرک ہوتا تو حضرت عمر اور دیگر تمام صحابہ کیا خاموش رہتے؟! فوراً کہہ اٹھتے کہ تم

شرک کر کے مرتد ہو گئے ابھی توبہ کرو ورنہ جو سزا مرتد کو دی جاتی ہے وہی سزائے قتل تمہیں دی جائے گی، اسی طرح اگر یہ عمل کفر یا ناجائز ہوتا تو امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی کیا اسے اپنی حدیث کی کتابوں میں لکھتے اور حیرت ہے کہ ابن حجر اور ابن کثیر جیسے حافظ الحدیث اور سند کو پرکھنے کے امام بھی اس حدیث کو صحیح قرار دے چکے، پھر بھی نداء یا رسول اللہ کو شرک کہنا کتنا عجیب ہے۔

سوال: کیا کوئی بیابان میں اکیلا ہو، پریشانی کے عالم میں اللہ کے سوا کسی کو مدد کے لیے پکار سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں، تمام انسانیت کو توحید سکھانے والے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بارے میں جو تعلیم دی ہے اسے ملاحظہ فرمائیں:

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى الصُّوفِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنْيْسٌ، فَلْيَقُلْ: "يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ))، وَقَدْ جَرَّبَ ذَلِكَ.

ترجمہ حدیث: حضرت عتبہ بن غزوہ ان روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راستہ بھول جائے اور اُسے مدد درکار ہو اور وہ

ایسی جگہ ہو جہاں کوئی مونس و ہمد نہ ہو تو اُسے چاہیے کہ اس طرح کہے: ”يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي“ یعنی اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو، اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو، بے شک کچھ اللہ کے بندے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے، یہ دعا مجرب ہے۔

ایک اور روایت جسے امام طبرانی اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَائِلَةَ الْأَصْبَهَانِيُّ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ بْنِ شَقِيقٍ، حَدَّثَنَا مَعْرُوفُ بْنُ حَسَّانَ السَّمَرْقَنْدِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا انْفَلَتَتْ ذَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللَّهِ، احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ لِلَّهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ.

رواہ أبو یعلیٰ فی مسنده: (۱۷۷/۹) رقم: (۵۲۶۹)، والطبرانی فی المعجم الكبير: (۲۱۷/۱۰) رقم: (۱۰۵۱۸). وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (۱۳۲/۱۰): رواه أبو يعلى والطبراني وزاد - ”سحبسہ علیکم“ وفيه معروف بن حسان وهو ضعيف. وله شواهد عن عتبة بن غزوان رضي الله عنه عن نبي الله صلى الله عليه وسلم قال: «إِذَا ضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنْيْسٌ، فَلْيَقُلْ: ”يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللَّهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ“» وقد جَرَّبَ ذلك. رواه الطبراني في الكبير (۱۱۷/۱۷)، رقم (۲۹۰) وقال الحافظ الهيثمي (۱۳۲/۱۰): ورجاله وثقوا على ضعف في بعضهم إلا يزيد بن علي لم يدرك عتبة. بهذا الشاهد يرتقي الحديث إلى الحسن لغيره. [والتخريج من الشيخ عيسى بن عبد الله بن مانع الحميري من تاليفه ”التأمل في حقيقة التوسل“ كتاب رائع في هذا الموضوع، أورد الشيخ فيه أدلة من القرآن والسنة مع تخاريج

الأحاديث وتحققها من المصادر الأصلية والمطابع، له فيه ردود جميلة، محققة على المانعين الضالين، من يريد التفصيل فليراجع إليه، جزاه الله خيرا عن الإسلام والمسلمين].

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنگل بیابان میں جانور چھوٹ جائے تو اس طرح نداء کرے: اے اللہ کے بندو! روک دو، اے اللہ کے بندو! روک دو، زمین میں کچھ بندے (اس کام کے لیے) حاضر رہتے ہیں، وہ اس جانور کو روک دیں گے۔

امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اور امام بزار اسی حدیث کو ایک اور سند سے روایت کرتے ہیں:

حدثنا يزيد بن هارون قال أخبرنا محمد بن إسحاق عن أبان بن صالح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا نفرت دابة أحدكم أو بعيره بفلاة من الأرض لا يرى بها أحدا فليقل: أعينوني عباد الله، فإنه سيعان.

مصنف ابن أبي شيبة (ج ۷، ص ۱۳۲) ما يقول الرجل إذا ندت به دابته أو بعيره في سفر.

ان تین احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ کسی کو اللہ عز و جل کے نیک و صالح بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کرنے پر مقرر سمجھ کر مدد مانگنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی تعلیم ہمیں ہمارے نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے، ان تین احادیث کو نقل کر کے امام اہل سنت فرماتے ہیں: یہ حدیثیں کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمائیں قدیم (زمانہ) سے علمائے

دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقبول و معمول و مجرب ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اللہ کے سواہ کسی کو اللہ کی رحمتوں کا محتاج سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے مددگار سمجھ کر مدد مانگنا شرک یا ناجائز ہوتا تو کیا اس حدیث کو صحابہ روایت کرتے اور امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام بزار رحمہم اللہ ان روایتوں کو روایت کرتے؟! معلوم ہوا کہ جو آج ہم مسلمانوں میں یہ رجحان دیکھتے ہیں کہ وہ مشکلات میں مزارات پر حاضر ہوتے ہیں، اللہ کے اولیاء کو باذن الہی مددگار مانتے ہیں یہ انہیں کسی اور نے نہیں سکھایا بلکہ یہ سب صحابہ و تابعین اور محدثین امت کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اہلسنت کے عقائد پر استقامت اور ایمان کے ساتھ خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے، یہ جو کچھ آپ کے گوش گزار کیا گیا یہ فقیر کی سعی ناقص ہے، احباب اہل سنت اس میں جو بھلائی پائیں تو وہ ہمارے رب عز و جل کی توفیق سے ہے، اور اگر کہیں خطا دیکھیں تو اُسے فقیر کی کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت میں اس کی تصحیح کر لی جائے، اگر اس تالیف سے قارئین کو کچھ نفع حاصل ہو تو میری درخواست ہے کہ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں اور بالخصوص میرے استاد شیخ الحدیث مفتی ابوبکر صدیق مدظلہ العالی کے لیے دعا خیر فرمائیں کہ یہ سب ان کی علمی تربیت کا نتیجہ ہے، اور میرے والدین حاجی عثمان ولد ہارون (کچھی لوہار واڈھ وموٹی والا) اور والدہ محترمہ حاجیانی زینب بنت ہاشم رحمہم اللہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں کہ آج فقیر ان کی دعاؤں کی برکت سے اس مضمون کو آپ تک پہنچا سکا ہے۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ، رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ [إبراهيم: ٤٠] ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾
[الإسراء: ٢٤] صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ
وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

عبدالقادر قادری رضوی تحسینی عفی عنہ

۱۳ شعبان المعظم ۱۴۲۹ ہجری بمطابق ۱۶ اگست ۲۰۰۸

امام ذہبی (ولادت ۶۸۳، وفات ۷۴۸ھ) بمع القاب اس طرح تعارف پیش کرتے ہیں:
طبرانی امام، حافظ، فن حدیث میں نہایت ہی قابل اعتبار، رجال و جوہال (علم حدیث کے لیے
ملک بہ ملک سفر کرنے والے) ہیں، آپ اسلام کے محدث، بڑی عمر پانے والے علماء کا علم ہیں،
آپ کا اسم گرامی سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر النخعی شامی طبرانی ہے، آپ کی تین معجم ہیں (معجم
کبیر، صغیر، اوسط) پھر فرماتے ہیں: آپ نے جمع حدیث اور اسکی تصنیف کا عظیم کام سرانجام دیا، لمبی
عمر پائی، آپ کے گرد محدثین کا ہجوم رہتا تھا، جو اطرافِ عالم سے آپ کے پاس سفر کر کے پہنچتے تھے،
آپ فن حدیث کے شہسوار تھے، آپ کا وصال سنہ ۳۶۶ ہجری میں ہوا، آپ تمام مسلمانوں کے فن
حدیث میں شیخ ہیں، اللہ ان پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے۔

”سیر أعلام النبلاء“، (ج ۱۶، ص ۱۱۹ / ج ۱۴، ص ۴۱۳)

www.gulfishanmasjid.com

امام جلال الدین سیوطی (ولادت ۸۴۹ھ، وفات ۹۱۱ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

طبرانی امام، علامہ، حجت، بقیۃ الحفاظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب النخعی شامی ہیں، دنیا کا سہارہ، اور میدان حدیث کے شہسوار ہیں ماہ صفر سنہ ۲۶۰ ہجری میں مقام ”عکا“ میں پیدا ہوئے، آپ نے تحصیل علم حدیث کا آغاز سنہ ۲۷۳ ہجری میں کیا آپ نے سیرابی علم دین کے لیے مدائن، شام، حجاز، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصہبان، جزیرہ وغیرہا کا سفر کیا، آپ نے ایک ہزار سے زیادہ مشائخ سے حدیث سنی۔

”طبقات الحفاظ“، ج ۱، ص ۷۳ [۹]۔

ابن خلکان (ولادت ۶۰۸ھ، وفات ۶۸۱ھ) ان کے بارے میں کہتے ہیں:

آپ نے حصول علم حدیث کے لیے ۳۳ سال سفر میں گزارے، اور کثیر مشائخ سے آپ نے حدیث سنی جن کی تعداد ہزار سے زائد ہے، آپ کی تصانیف نفع بخش اور منفرد حثیت رکھتی ہیں، جن میں سے تین معجم بڑی مشہور ہیں، کبیر، اوسط، اور صغیر حافظ، ابو نعیم اور خلق کثیران کی شاگرد تھی۔